عشقِ آخرم

ابن عبداللہ

ابن عبداللہ

پیش لفظ!!

کچھ کہانیاں ایسی ہوتی ہیں جو انسان سے اچانک ہی لکھی جاتی ہیں یا یوں کہیں کہ وہ کہانیاں یا وہ کردار آپ سے اپنے آپ کو لکھواتے ہیں۔

یہ ناول ''عشق آخرم'' بھی ایک ایسی ہی کہانی جو لکھتے لکھتے خود ہی لکھی گئی۔

میری کہانیوں یا میرے ناول کے کردار ہمیشہ دکھی ہوتے ہیں پر اس ناول کا کردار زندہ دل ہنس مکھ اور زندگی سے بھرپور انسان ہے۔

جب یہ ناول قسط وار چل رہا تھا تو لوگوں نے طلال ابراہیم کے کردار کو بے تحاشہ پسند کیا۔اس کی اوٹ پٹانگ باتوں اور حرکتوں نے بہت سے لوگوں کو ہنسایا ہے

طلال ابراہیم کوئی فرضی کردار ہرگز نہیں۔کیوں ہم سب میں ایک شریر انسان چھپا بیٹھا ہے جو سوبر ہونے یا سو کالڈ میچور نہیں ہے۔

میں اکثر سوچتا ہوں ہم میچور ہونے کے نام پر۔سوبر ہونے کے نام جانے کتنی خوشیوں اور چھوٹی خواہشوں کو سولی چڑھا دیتے ہیں۔

میں نے اس معاشرے میں تیزی سے پروان چڑھتی ہوئی نفرت اور لوگوں کے اندر پیدا ہونے والی فرسٹریشن اور تلخی کو غور سے دیکھا ہے۔اور میں یہ سمجھا ہوں کہ ہم اس لئے سب تلخی سے بھرے ہوئے ناخوش ہیں کہ ہم لوگوں کی من پسند زندگی جی رہے ہیں۔

جو ہم چاہتے ہیں جیسا بننا چاہتے ہیں ویسے ہم بن نہیں پا رہے ہیں لوگ کیا کہیں گے۔۔؟؟

ایک جوک پر ہم کھل کر ہنس نہیں پاتے ہیں۔جو چیزیں ہم محسوس کرتے ہیں جو باتیں ہمارے دل میں پیدا ہوتی ہیں ان کو

ہم کسی سے بھی کہہ نہیں پاتے ہیں۔

ایسے میں جب طلال ابراہیم جیسے کردار پیدا ہوتے ہیں تو ان میں ہمیں اپنا آپ نظر آتا ہے۔

مجھے لگتا ہے یہ میرا آخری ناول ہے جو میں نے لکھا اس لئے میں نے کوشش کی اس ناول میں ہنسا سکوں آپ کو میں اس میں کس حد تک کامیاب ہوا میں نہیں جانتا ہوں۔

مجھے امید ہے میری یہ آخری کاوش آپ کو ہمیشہ یاد آئے گی،

مزید کچھ نہیں کہنا ہے۔۔۔مجھے اپنی دعائوں میں یاد رکھئے گا ہمیشہ

آپ کا دوست!!!

ابن عبد اللہ

03078625600

abdullah.565534@gmail.com

کسی نے کچھ کھویا ہے آج

یوں آسمان پھوٹ کے رویا آج

کہ یہ بارشیں بے وجہ نہیں ہوتیں

کسی نے کسی کو ہے یاد کیا

کوئی تو بہت رویا ہے آج

کہ یہ بارشیں بے وجہ نہیں ہوتیں

اس کا دل صبح سے کسی بے نام اداسی کے آسیب کے سائے میں تھا۔

وہ جانے کب سے کھڑکی میں کھڑی بارش کو گرتا دیکھ رہی تھی۔ آنگن میں لگے پھول پانی کے بوجھ تلے جھکے ہوئے تھے۔ اور شیشے پر اس کی سانسوں کی تپش سے دائرے بنے جا رہے تھے۔

جب کبھی بارش برستی تو اس کا دل بارش کے ہر قطرے کو اپنے اندر جذب کرنے کی خواہش کا اظہار کرتا تھا۔

اور وہ دل میں کھدے خواہشوں کے قبرستان میں ایک نئی کھود کر اس خواہش کو دفن کر دیتی۔۔

شاید ہم سب ہی گورکن تھے اور ہمارے دل قبرستان جن میں ہم کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ دفن کرتے رہتے ہیں۔ کبھی خواہشیں تو کبھی مسکراہٹیں اور کبھی محبتیں۔

وہ اپنے والدین کی دوسری بیٹی تھی۔

”زرشاہ احمد“

جب وہ پیدا ہوئی تو اپنے نام کی طرح خوبصورت تھی۔۔۔ ہزاروں رنگوں سے سجی شوخ چنچل سی تتلی جو گھر میں اڑتی پھرتی اور جہاں سے گزرتی وہاں رنگوں اور خوشیوں کا طوفان برپا ہو جاتا۔۔ وہ گویا مسکراہٹوں کی پیامبر تھی۔ پر خود اندر سے اپنے رشتوں کے ہاتھوں ڈری سہمی سی۔ اس کے بچے کچھے رنگ بھی خوبصورت تھے۔

پر یہ سب قلیل وقت کے لئے تھا۔۔ جیسے بارشیں بہت کم وقت کے لئے برستی ہیں اور پھر دھوپ نکل آتی ہے۔

”زرشاہ! طلال آئیں ہیں۔“ اس کی چھوٹی بہن کی آواز نے اسے اپنی سوچوں کے بھنور سے نکالا۔۔

اس نے خالی نظروں سے ارد گرد کا جائزہ لیا۔

آئینے کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ ایک لمحے کو رکی اور اپنے چہرے کو غور سے دیکھا۔۔

اس کا آئینہ اب جھوٹ نہیں بولتا نہیں تھا۔

ایک زخمی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بجھ گئی۔۔

اس کے خوبصورت نقش آئینے پر کبھی زندگی کے احساس کو گہرا کر دیتے تھے۔

وہ زیادہ دیر تک خود کو دیکھ نہیں سکی۔۔اس لئے تھکے ہوئے قدموں کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آئی۔۔۔لاؤنج سے طلال کے زندگی سے بھرپور قہقے اسے اپنی طرف بلا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

زرشاہ کے والد نواز خان کھاتے پیتے گھرانے سے تھے اس لئے شہر کے پوش علاقے میں ان کا گھر تھا۔ماربل کی ایک فیکٹری اور کچھ مارکیٹوں کے مالک تھے اس لئے ان کے بعد بھی گزر بسر اچھا ہو رہا تھا۔

پانچ نفوس پر مشتمل یہ گھرانہ خوشحال تھا۔

نواز خان کی شادی ان کی چچا کی بیٹی عائشہ سے ہوئی تھی جو ان کے لئے ہر لحاظ سے بہترین بیوی ثابت ہوئیں تھیں۔

ان کو بیٹے کی خواہش تھی لیکن ان کے ہاں پہلے ایمان پیدا ہوئی تو غصے کے باوجود انہوں نے ایمان کو پیار دیا تھا۔شاید ان کے دل میں یہ تھا کہ اگلی باری بیٹا ہو گا۔

لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایمان ایک سال بعد ہی نمونیہ کا شکار ہو کر چل بسی۔جب عائشہ بیگم کا پاؤں دوسری مرتبہ بھاری ہوا تو نواز خان اور ان کی ماں کو امید لگی کہ اب بیٹا ہو گا پر خدا کو بیٹی منظور تھی۔

اس بار ان کا غصہ اس ننھی سی جان پر تھا۔جس کا نام عائشہ بیگم نے خود ہی زرشاہ رکھا تھا۔

عائشہ بیگم نے شوہر کا غصہ اور تلخی محسوس کر لی تھی اور یہ بھی کہ ان کے علاوہ گھر میں کسی کو بھی بیٹی کی آمد پسند نہیں آئی تھی۔

خاندان میں جب خبر پھیلی کہ عائشہ کے ہاں دوسری بار بھی بیٹی پیدا ہوئی ہے تو سب مبارک باد دینے آئے لیکن عائشہ نے صاف محسوس کیا جیسے وہ سب مبارک باد دینے نہیں تعزیت کرنے اکھٹے ہوئے ہیں۔

جیسے جیسے زرشاہ بڑی ہوتی گئی تھی عائشہ بیگم کی پریشانی میں اضافہ ہوتا گیا تھا۔

وہ کوشش کرتی تھیں زری کو کوئی کمی کا احساس نہ ہو لیکن وہ ناکام رہ جاتیں تھیں۔

عائشہ بیگم نے ہزار دعائیں اور منتیں مانگی پر تیسری بار ان کے گھر میں فائزہ کی آمد ہوئی اور نواز خان چپ رہ گئے۔

انہیں کسی سے سنی حدیث قدسی یاد آتی تھی کہ خدا فرماتا ہے۔

"جب میں کسی کو بیٹا تو دیتا ہوں تو گویا اسے ایک بازو عنایت کرتا ہوں اور جب کسی کو بیٹی سے نوازتا ہوں میں تو خود اس کا بازو بن جاتا ہوں۔" پر شاید یہ معاشرا اس بات کو نہیں سمجھتا تھا۔

اس لئے تو بیٹی کی پیدائش کو دکھ کا بڑا واقعہ قرار دیا جاتا تھا۔

پتا نہیں لوگ کب سمجھیں گے۔

وہ زرشاہ کو دیکھتے ہوئے اکثر اداس ہو جاتیں تھیں۔

نواز خان کے ایک ٹریفک حادثے میں گزر جانے کے کچھ ماہ بعد عائشہ کی ساس بھی چل بسیں اور گھر کا سارا انتظام ان کے سر پر آ گیا۔

اس لئے وہ وقت سے پہلے بوڑھی ہو گئیں تھیں اور اب زرشاہ کی وجہ سے پہلے سے زیادہ پریشان تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"کہاں ہے وہ؟"

"اوپر۔" فائزہ نے قہقہ لگایا تو اس کا منہ کا بن گیا۔

"کیا ہوا ہے؟ خیریت تو ہے نہ کال سن رہی نہ ٹیکسٹ کا جواب دے رہی ہے؟" اسے تشویش ہوئی تھی۔

"وہ آج سوگ منا رہی ہے۔ صبح سے کھانا پینا بند ہے ۔۔امی اور میرے لاکھ سمجھانے کے باوجود ایک لقمہ تک نہیں لیا۔" فائزہ نے آنکھیں گھمائیں تو وہ سر ہلاتا ہوا اوپر کی طرف بڑھا۔

"کیا ہوا زری۔؟"

"بڑا ہی بے وفا تھا نکلا وہ تو۔ وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے میرے ساتھ۔" آنسوؤں سے بھری آنکھیں اور لہجے میں غم ہی غم۔

طلحہ کا دل ایک لمحے کے لئے رک سا گیا۔

"کون کس نے۔۔" وہ بمشکل اتنا کہہ سکا۔

"وہی بے وفا۔۔اتنی محبت دی اتنا چاہا۔۔اور پھر وہ مجھے چھوڑ گیا۔"

"پر کون چھوڑ گیا۔؟۔کچھ بتاؤ تو سہی۔۔" دل میں ہزار وسوسوں کے اٹھتے اس نے کوشش کر کے اپنا لہجہ نارمل رکھا۔ ورنہ اس کی باتیں سن کر طلال کا دماغ گھوم رہا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو سالوں سے جانتے تھے۔ پر یہ سب۔۔اس کا تو سر ہی چکرا رہا تھا۔

وہ ریلنگ سے ہٹی اور جھولے پر آ بیٹھی۔

وہ اس کے سامنے کھڑا اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

”وہ تمہیں چڑیا کا نیو بورن بے بی یاد ہے جو گھونسلے سے گرا تھا اور میں اسے اٹھا کر اپنے ساتھ لے آئی تھی۔“

”ہاں۔۔“اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

”تو وہی اڑ گیا۔“

”میں نے اتنی محبت سے پالا اسے۔۔اور وہ اتنا بے وفا نکلا کہ بڑا ہوتے ہی ایک دم اڑ گیا۔۔اور پھر واپس نہیں آیا۔۔“طلال کا رکا ہوا سانس بحال ہوا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑھا۔

”تم ہنس رہے ہو کزن؟“اس نے دکھ سے کہا تو طلال کو اپنی ہنسی روکنی پڑھی۔

”پرندے ہوں یا انسان اڑ جائیں تو کبھی لوٹ کر نہیں آتے۔“اس نے فلسفہ بگھارا۔

”انسانوں کو گولی مارو۔“وہ تنگ کر بولی

”پر پرندے۔۔اتنا معصوم سا تھا وہ۔اور دیکھو کیسا بے وفا نکلا۔اسے دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ اتنا کمینہ ہے۔“اب وہ اس کے لتے لینے لگی تھی۔

”اچھا اب رونا چھوڑو۔آؤ باہر چلتے ہیں۔“

”مجھے نہیں جانا کہیں۔۔“اس نے منہ بسورتے ہوئے صاف انکار کر دیا۔

”تمہاری پسند کی آئس کریم کھلاؤں گا اور پھر تمہیں خوبصورت سے پرندے گفٹ کروں گا۔“اس نے لالچ دی۔

اور وہ ہمیشہ کی طرح خوشی سے اچھل پڑی۔

”promise?“اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے یقین دہانی چاہی۔

”ہاں بابا پکے والا۔“وہ مسکرا دیا۔

میں ابھی چینج کر کے آئی۔وہ چوکڑیاں بھرتی ہوئی سیڑھیاں اتر گئی اور وہ سوچتا رہا۔

”جانے یہ بڑی کب ہو گی۔“شاید وہ نہیں جانتا تھا کہ لڑکیاں جب بڑی ہو جاتی ہیں تو ان کے رنگوں کو دیمک لگ جاتا ہے اور ان کی مسکراہٹیں کھو جاتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

سیڑھیاں اتر کر وہ اس کے سامنے آ بیٹھی تھی۔

طلال نے اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں گہرا سناٹا دبے پاؤں ٹہل رہا تھا۔

"باہر چلو گی۔۔۔؟؟" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"نہیں۔۔" وہ مختصر سا جواب دے کر کھڑکی سے باہر مالی بابا کو دیکھنے لگی جو پھولوں کو پانی دے رہے تھے۔۔

کچھ مہینے پہلے اس نے بڑی چاہت سے وہ پھول خریدے تھے۔

آج وہ کھل اٹھے تھے۔

پر وہ۔

درخت سے کٹی شاخ کی طرح تھی جس کی نظر چاہ کر بھی بہار پر نہیں جاتی تھی۔ جو جانتی تھی بہار اس پر اب کبھی نہیں آسکتی۔

وہ سامنے بیٹھا اس کے چہرے پر بدلتے موسموں کو دیکھ رہا تھا۔

"کب تک ایسا کرو گی۔۔؟" وہ بے بسی سے بولا۔

"کیا۔۔؟"۔۔وہ چونکی۔

"یہی جو تم کر رہی ہو زرشاہ۔"

"میں تو کچھ نہیں کر رہی ہوں طلال۔"

"جو ہونا تھا جو ہوا وہ تو ہو چکا ہے۔۔اب میں کوئی چاہ نہیں رکھتی ہوں۔۔تم بھی یہ بات سمجھ لو اور مان لو۔س"پاٹ لہجے میں وہ کہتی ہوئی طلال کو بہت بری لگی تھی۔

اسے غصہ آیا۔ پر وہ پی گیا تھا۔

اور وہ بظاہر لاتعلق بنی بیٹھی دل ہی دل میں مسکرا دی۔۔خاندان بھر میں اس کا غصہ مشہور تھا۔

جو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔ اس کے سامنے کبھی غصہ نہیں کر سکا تھا۔۔جب وہ غصے میں ہوتا لوگ اس کے سامنے زرشاہ کا نام لے دیتے اور اس کا موڈ یوں بدلتا جیسے حبس سے بھری گرمیوں کی دوپہر میں اچانک بارش برس جائے۔

محبت شاید پہلی بارش کا نام تھی۔

وہ دل ہی دل میں اس کی محبت کی قائل ہوئی۔

حادثے کے بعد جس دلجمعی سے وہ اس کے بدلتے رویوں کو جھیل رہا تھا وہ طلال یزدانی ہی کر سکتا تھا۔

"تقدیر میں لکھے زخموں کی سزا خود کو نہیں دیتے ہیں۔ جو ہوا سو ہوا۔۔اب تم خود کو اگر یوں زندگی کے دھارے سے کاٹ لو

گی تو مر جاؤ گی"۔وہ نرم لہجے میں بولا۔

"میں زندہ ہوں۔۔۔؟"

سانس لینے کا نام اگر زندگی ہے تو یقیناً میں زندہ ہوں۔

اگر نہیں تو میں بتاؤں؟"

"زندگی میں زندہ رہنے کے لئے زندگی کا ہونا بھی بڑا ضروری ہے۔سانس تو پودے بھی لیتے ہیں۔سارے جانور بھی سانس لیتے ہیں۔۔جیسے وہ زندہ ہیں ویسے میں بھی زندہ ہوں۔کسی بھی جذبے اور احساس کے بغیر۔"طلال نے صوفے پر پہلو بدلا۔

"کتنی بدل گئی ہو تم۔"

"اور تم بھی بدل گئے ہو طلال۔اب تمہیں غصہ نہیں آتا ہے۔"وہ مسکرائی۔

اور وہ اس کی بات سن کر ماضی کے ایک واقعہ میں میں الجھتا چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"ممانی ہماری شادی کا کہہ رہی ہیں اور تم جانتی ہو مجھ جیسا غصیلا انسان رشتے نبھانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔"پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے وہ الجھا ہوا اسے کہہ رہا تھا۔۔

"تو میں کیا کروں۔۔انکار کر دو۔۔"اس نے بے پروائی سے کاندھے اچکائے۔

وہ تپا۔

"سوچ لو ساری زندگی میرا غصہ برداشت کرنا ہو گا۔"

"ہونہہ تم اور تمہارا غصہ۔۔"اس نے منہ بنایا۔

"میرے غصے کو بہت ایزی لے رہی ہو زرشاہ۔"

"ہاں لے رہی ہوں تو۔۔۔"اس کے گھورنے کی پرواہ کئے بغیر وہ اسی ٹیون میں بولی۔

"تو یہ کہ ایسا نہ ہو کہ تم نبھا نہ پاؤ اور۔۔"اس نے جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ یک دم چونکی

"اور۔۔۔؟"

"کچھ نہیں۔اس نے سر جھٹکا۔

"مجھے میری دوست عالی نے ایک واقعہ سنایا تھا۔وہ جو عالمہ ہے اور میری بہت اچھی دوست بھی۔"

"اچھا۔"وہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"تو سنو:

حضرت زین العابدینؒ۔۔کی جب ایک خاتون سے شادی ہونے لگی تو آپ نے اس خاتون کو کہا۔

"بی بی رشتہ جوڑنے سے پہلے اچھے سے سوچ لو۔میں بہت ہی سخت معاملے کا آدمی ہوں۔ذرا ذرا سی بات پر پکڑ کرتا ہوں۔نہایت سخت مزاج کا بندہ ہوں۔چھوٹی سی بات پر جلد غصہ آتا ہے اور پھر جلدی نہیں اترتا ہے۔

اگر ان عیبوں کو جانتے ہوئے بھی تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی تو مجھے رشتہ قبول ہے۔

خاتون حضرت کی بات سن کر کچھ دیر چپ رہیں۔"

"ہاں چپ ہی رہنا ہے سوچ رہی ہوں گی بڑی مشکل ہو گئی یہ تو۔۔اور انکار کر دیا ہو گا پھر۔طلال نے اس کی بات کاٹی تو وہ غصے سے بولی۔

"نہیں۔خاتون چپ رہنے کے بعد بولیں۔

مجھے جی جان سے یہ رشتہ منظور ہے۔میں سمجھتی ہوں آپ سے زیادہ سخت مزاج اور بد معاملہ تو وہ ہے جو آپ کو سختی دکھانے اور غصہ کرنے کا موقعہ دے۔"

"کیا سمجھے کزن۔۔؟"

"میں بھی ایسا ہی سوچتی ہوں۔۔۔"

"آپ کو سختی دکھانے اور غصہ کرنے کا موقع ہی نہیں دوں گی تو ڈر کیسا۔۔؟؟"طلال نے ایک نظر حجاب میں سے جھانکتی آنکھوں میں چمکتی یقین کی روشنی دیکھی اور پھر مسکرا دیا۔

اور خاموشی سے کافی کی سیپ لینے لگا۔

ویسے بھی وہ جانتی تھی طلال جیسا انسان کبھی اس پر غصہ نہیں کر سکتا تھا وہ تو اسے تنگ کر کر ہنساتا رہتا تھا اپنی باتوں سے اپنی حرکتوں سے۔

طلال نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ ایسا انسان ہے۔شاید محبت ہمیشہ انسان کے اندر چھپا ہوا وہ بچا کرتا ہے جسے ہم سوبر بننے کے چکر میں کہیں دبا دیتے ہیں۔

اس نے دل میں سوچا۔۔اور وقت مسکرایا۔

وہ دونوں نہیں جانتے تھے وقت ان کے مزاجوں کو بدل کر رکھ دینے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"انہیں آزاد کر دو زر شاہ۔"

"کیوں۔۔؟" دانہ ڈالتے ہوئے اس کے ہاتھ رکے۔

"کیوں کے یہ ان کا گھر نہیں ہے۔ یہ آزاد فضاؤں کے باسی ہیں۔"

دیکھو یہ پرندے کیسے اوپر بار بار دیکھ رہے ہیں۔ یہ اڑنا چاہتے ہیں انہیں اڑنے دو۔"

"ہونہہ۔"

"اتنی ان کی فکر تھی مجھے لا کر نہ دیتے آزاد کر دیتے۔" اس نے برا سا منہ بنایا تو طلال مسکرا دیا۔

"اس کے پیچھے بھی ایک لاجک تھی۔"

"اچھا وہ لاجک بتانا ذرا۔"

"میں چاہتا تھا کہ انہیں تم آزاد کرو تا کہ اگر خود کبھی کہیں قید ہو جاؤ تو ان پرندوں کی دعا سے تمہیں رہائی مل جائے۔"

"زر شاہ ہمدانی ہوں میں۔ مجھے قید کرنا ممکن نہیں ہے۔" ماتھے پر بوسہ دیتی ایک شریر لٹ کو پیچھے کرتے ہوئے اس کے لہجے میں جانے ایسا کیا تھا کہ طلال اندر سے ڈر گیا۔

"ایسا مت کہو زری۔" وہ چونکی۔

جب وہ اسے زری کہتا تھا تو کچھ ہوتا تھا اس کے اندر۔ کبھی محبت تو کبھی کوئی الجھن۔

اس نے سر جھٹکا۔

"کہنے سے کچھ نہیں ہوتا ہے۔" وہ جانے کے لئے مڑی اور کچھ آگے جا کر پلٹ کے بولی۔

"ماما نے تمہاری پسند کی بریانی بنائی ہے۔ نیچے آجاؤ۔" وہ لمبے لمبے قدم لیتی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

اور وہ خاموشی سے ان پرندوں کو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔

جو خود اسیر ہوتے ہیں وہ کسی کو قید نہیں کرتے ہیں۔

وہ اسیر تھا اس لڑکی کا۔۔۔ اس لئے چاہ کر بھی کبھی اسے اپنے معیار یا کسی سمجھوتے کے پنجرے میں قید نہیں کرتا تھا کیوں کہ وہ جانتا تھا قید ہونا بڑی اذیت ہے۔

اس نے اپنا دروازہ کھلا رکھا تھا۔۔۔ جس میں وہ کبھی خود چل کر داخل ہوتی اور کہتی

"کزن

لو آج مجھے قید کر لو۔۔"

وہ اپنی سوچوں پر مسکرایا اور چھوٹے چھوٹے قدم لیتا ہوا اندر کی سمت چل دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ان دیکھے جال میں بری طرح قید تھی۔ جتنا پھڑ پھڑاتی تھی اتنا جال اس کے گرد سخت ہو جاتا تھا۔ سب کچھ بدل گیا تھا۔۔ انسان جب خود اندر سے بدل جائے تو باہر کی ہر چیز اسے اجنبی نظروں سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے لگتی ہے۔

اس کے ساتھ بھی ایسا ہی تھا۔ وہ اندر سے بدلی تھی۔۔ سب کچھ وہی تھی۔ گھر رشتے اور طلال کی محبت جس کی سچائی سورج کی طرح روشن تھی۔ طلال کی یاد آنے پر وہ چونکی اور پھر پنجرے کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

نہ جانے کتنے عرصے بعد وہ ان پرندوں کے پاس آئی تھی۔

"انہیں آزاد کر دو۔

کسی نے اس کے کان میں جیسے سرگوشی کی تھی۔

ساتھ ہی اسے اپنا کہا ہوا جملہ اور اپنا لہجہ یاد آیا۔

پرندے گویا اس کو تمسخر سے دیکھ رہے تھے۔

ان کی خوبصورت چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں اس کے لئے جیسے نفرت ہی نفرت تھی۔

ان کی آوازیں گویا اسے کہہ رہی تھیں

اب جانا قید ہو جانا کسے کہتے ہیں۔۔؟

ہمارے ارگرد لوہے کی جالی ہے پر خود کو دیکھو۔

بظاہر تم آزاد ہو پر اندر سے قید ہو۔۔ ہم کبھی نہ کبھی آزاد ہو جائیں گے۔۔ تم؟

تمہیں تو یہ تک پتا نہیں ہے کہ تم کس جال کس پنجرے میں قید ہو۔

وہ چپ تھی۔

اسے یاد آیا کہ وہ کبھی کسی کی باتیں توجہ سے نہیں سنتی تھی۔ بس اپنی کہتی تھی۔ اور سب چیختے چلاتے رہ جاتے۔

اور وہ اپنی دھن میں بولتی رہتی۔ باتیں کاٹتی رہتی۔

پر آج۔

وہ چپ تھی۔

اسے کہیں پڑھا ہوا جملہ یاد آ رہا تھا۔

"جب چُپ آپ کی روح کو ڈستی ہے تو اندر بے شمار قبریں وجود میں آتی ہیں""

چُپ اسے بھی ڈس گئی تھی

اور اس کے اندر بے شمار قبریں کھد چکی تھیں۔

پر وہ نہیں جانتی تھی ان میں سے کون سی قبر اس کی ہے؟

ایک مردہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر دم توڑ گئی۔

شاید وہ اپنے حال پر ہنس رہی تھی۔

کتنی بے بسی تھی۔

اسے یہ تک معلوم نہیں تھا کہ وہ کس قبر میں دفن ہے۔

وہ کہاں ہے کس جگہ ہے۔

ایک بے نام سی اداسی اس کے وجود کو کھائے جا رہی تھی۔

جو کچھ ہوا۔

اس میں کتنا قصور اس کا تھا۔۔؟

گزرے ہوئے حادثے کو یاد کر کے اس نے ایک جھری سی لی اور پھر پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔

پرندوں نے ایک مسرت بھری آواز نکلی اور ایک ایک کر کے رہائی پانے لگے۔

جب آخری پرندہ بھی اس کی نظروں سے آسمان کے کناروں میں اوجھل ہو گیا تو وہ تھکے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف لوٹ آئی۔

جہاں وہ اور اداسی اب اکھٹے رہتے تھے۔

وہ جو رنگوں سے سجی تتلی تھی۔۔جو کبھی کبھار اداس رہتی تھی۔ جسے شوخی پسند تھی اب اداس تھی۔

حل نکالا ہے یہ اداسی کا

اب میں اکثر اداس رہتی ہوں۔۔!!

یہ شعر شاید اسی کے لئے کہا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

آدھی رات کو وقت زرشاہ گہری نیند سوئی ہوئی تھی جب طلال کی کال آئی۔

"ہیلو جاگ رہی ہو تم۔۔؟؟"

"سو رہی تھی میں بتاؤ کیوں کال کی۔؟؟"

"وہ میں چائے بنا رہا تھا اور ساتھ سوچ رہا تھا کہ وہ وقت کب آئے گا جب تم شرما کر لجا کر دست حنائی سے مجھے ایک کپ چائے بنا کر پیش کرو گی اور محبت سے کہو گی۔ میرے سرتاج میرے شونا مونا یہ لیں ایک کپ چائے بہت تھک گئے ہوں گے نا۔"

"تم بس خواب ہی دیکھنا یہ طلال۔ اور یہ شونا مونا کیا بلا ہے۔؟؟"

طلال:اس آدھی رات کو غم کنوارگی عروج پر ہے اور تم میرے زخم کرید رہی ہو مجال ہے جو کبھی محبت سے بات کرو تم۔

زرشاہ:دوبارہ مجھے آدھی رات کو کال کر کے یہ سب کہا صبح بہت بری ہو گی تمہاری سمجھے۔

طلال: بخدا۔! مجھے اپنے ہونے والے بچوں کی فکر کھائے جا رہی ہے تم ان کا کیا حال کرو گی۔

زرشاہ:انتہائی کوئی فضول انسان ہو تم طلال۔

طلال: خیر اس فضول انسان کے ساتھ عمر گزارنی ہے اب تم نے۔ میں تو کہتا ہوں فضول ہے فضول ہے کو چھوڑو جلدی جلدی سے قبول ہے قبول ہے کہو۔

زرشاہ:شب بخیر گڈ نائٹ فضول انسان۔

کال کاٹ کر کے کچھ دیر زرشاہ فون کو دیکھتی رہی پھر بھنا کر موبائل سائڈ پر رکھا اور لیٹ گئی،چند لمحے ہی گزرے تھے موبائل دوبارہ بجا۔

سکرین پر طلال کا نمبر آ رہا تھا۔

"ہیلو۔ کیا مصیبت ہے طلال سونے کیوں نہیں دے رہے مجھے تم۔؟"

"زیادہ غصہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھیں۔ ویسے بھی اس کی عادت ڈال لو شادی کے بعد تمہیں سونے کون دے گا؟"

"کیا تم مجھے کفران نعمت کرنے والا انسان سمجھتی ہو ہاں۔؟"

"دل تو کر رہا ہے کہ وہاں آ کر تمہارے سر پر اپنی کتابیں ماروں میں۔" زرشاہ غصے سے کہا تو جواب میں طلال نے قہقہ لگایا۔

"دیکھو سویٹ ہارٹ اس وقت میں نے انتہائی اہم کام یاد آنے پر دوبارہ کال کی ہے۔"

اچھا بتاؤ کون سا اہم کام ہے۔۔؟ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"بات یہ ہے کہ کیوں نہ ہم ابھی اسے اپنے بچوں کا نام رکھ لیں۔ جیسے کہ اگر لڑکا ہو تو اس کا نام ہم "سعد" رکھیں اور میں پھر تمہیں سعد کی ماں کہہ کر بلاؤں تو کتنا اچھا لگے نا۔" زرشاہ کا دل کیا موبائل دیوار پر دے مارے۔

"میں کال کاٹ رہی ہوں میں اور صبح تم اپنا نام بھی بھول جاؤ گے سمجھے۔" طلال کی بات سنے بغیر زرشاہ نے کال کاٹی اور موبائل آف کر دیا۔

اسے طلال کے ڈھیٹ پن کا پتا تھا اور اسے حیرت ہوتی تھی کوئی اتنا ڈھیٹ کیسے ہو سکتا ہے بھلا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"تم یہاں مت آیا کرو طلال۔ اب تمہیں یہاں سے کچھ نہیں مل سکتا۔" پیٹھ پھیرے ریلنگ کے ساتھ ٹکی وہ اوپر آسمان میں دیکھتے ہوئے اسے کہہ رہی تھی۔ طلال نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اپنی نظریں دوڑائیں اور پھر دھیمے سے بولا۔

"جسے تم آسمان میں تلاش کر رہی ہو وہ اس وقت تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ بہتر ہو گا کہ تم میری طرف دیکھ کر بات کرو۔"

"شاید تم نے سنا نہیں میں نے کچھ کہا ہے؟" اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ پلٹی۔

"اور شاید تم نے وہ نہیں سنا جو میں نے کہا ہے۔" وہ مسکرایا۔

"کس قدر ڈھیٹ انسان تھا وہ۔" اس نے دل میں سوچا۔ تم جو بھی کہو گے تمہارے الفاظ میری سماعتوں تک آنے سے پہلے دم توڑ چکے ہوں گے۔ اس کا لہجہ اس قدر بے رحم تھا کہ ایک لمحے کے لئے طلال سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

اور وہ پتا نہیں کیوں اس سے نظریں چرا کر دوبارہ آسمان میں دیکھنے لگی۔

"کیا تمہاری محبت مر گئی ہے؟" اس کی بات سن کر وہ مسکرا دی۔ وہ اسے کیا بتاتی کہ اس کی محبت اب بھی سانس لیتی تھی۔ پر وہ خود مر چکی تھی۔

"ہاں۔۔ ایسا ہی ہے۔۔ میری محبت مر چکی ہے۔" جی کڑا کر اس نے کہا۔

طلال کو لگا جیسے اس نے کچھ غلط سنا ہو۔

"تم ایسے کیسے کہہ سکتی ہو زرشاہ۔۔؟؟" طلال کے لہجے میں دکھ بول رہا تھا۔

"کیوں کے ایسا ہی ہے مسٹر طلال۔" اس کی نگاہیں بدستور آسمان میں بھٹک رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔ اگر یہی بات تم میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو تو مان لوں گا۔" وہ چپ رہ گئی اس کی آنکھوں میں دیکھ کر یہ بات کہنا اتنا آسان تو نہیں تھا۔

"پلٹو اور میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو تم مجھ سے محبت نہیں کرتی۔" وہ کہہ رہا تھا۔

خود کو مضبوط کرنے میں کچھ دیر گزری اور پھر وہ پلٹی۔ طلال اسی کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

"ہاں۔! میری محبت مر گئی اور اب میں تم سے محبت نہیں کرتی۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس نے بے رحمی سے

کہا۔اور طلال کی آنکھوں میں اس کی بات سن کر ایسا سناٹا پھیلا کہ وہ ڈر گئی۔

"اس سے مزید وہاں اس کے سامنے کھڑا رہنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اس لئے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔

"تمہاری محبت نہیں یہ سمجھو کہ آج طلال ابراہیم مرا ہے۔"

طلال کی بات سن کر اس کے قدم تھمے اور وہ پلٹی۔

وہ اس حالت میں کھڑا اُس جگہ کو دیکھ رہا تھا جہاں زرشاہ کھڑی تھی۔

"کسی کی موت کی پرواہ ان کو ہوتی ہے جو خود زندہ ہوتے ہیں مردوں کو غم نہیں لگتے ہیں۔" وہ کہہ کر سیڑھیاں اتر گئی۔

اور وہ اس سپاہی کی طرح زخم خوردہ محبت کی میدان میں پڑا رہ گیا۔۔ جس نے زندگی کی سب سے بڑی جنگ ہار دی ہو۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"اے سنو آج کوئی شاعری سناؤ۔" آج صبح سے ہی اس کا موڈ شاعرانہ ہو رہا تھا۔اس لئے جیسے ہی طلال اسے دکھائی دیا وہ چہک کر بولی۔

"کیا بات ہے آج تو مزاج دشمناں بڑے خوبصورت ہو رہے ہیں۔۔ خیر تو ہے۔۔سنا ہے شاعری عاشقوں کو بھاتی ہے۔ کہیں مجھ پر دل تو نہیں آ گیا ہے؟" وہ اسے چھیڑنے لگا۔

"ہاہاہا۔۔ نہیں کزن۔ یہ عاشقی میرے بس کا روگ نہیں۔اور تم پر دل آئے اتنے برے دن بھی نہیں آئے میرے۔تم نے سنانی یا نہیں۔" اس نے بے پروائی سے کہا تو طلال ہنس دیا اور بولا۔

ہاں تمہیں "فیم انجم" کی ایک خوبصورت نظم سناتا ہوں۔جو مجھے بہت پسند ہے۔

اداسی ٹھہر جاتی ہے

اداسی کا اگرچہ اپنا کوئی گھر نہیں ہوتا

مگر جب بھی نگاہوں میں

گزرگاہوں کا سونا پن کھٹکتا ہے

کسی کے عکس میں ڈوبی ہوئی آنکھیں

کبھی جو بارشوں کا ساتھ دیتی ہیں

سفر کی شب

اکیلے پن کا گہرا رنگ

جب ویران دہلیزوں کی

پھیکی زردیوں پر پھیل جاتا ہے

مسافر کو مگر پھر بھی کوئی پرسہ نہیں دیتا

اداسی ٹھہر جاتی ہے

گئے موسم پلٹ کے یاد کے دھند لکے دریچوں پر

ادھوری دستکوں کا شک بٹھا جاتے ہیں

سردی سانس کے تن من میں بس جاتی ہے

سینے میں کوئی لمحہ اتر کر ٹوٹ جاتا ہے

کبھی مدت کے پردیسی

جو اپنے نہ آنیکا کوئی پیغام بھیجیں

اور مکانوں پر لکھی امید بینائی گنوا بیٹھے

چھتوں پر بانجھ پن کا دکھ اتر آئے

اداسی ٹھہر جاتی ہے

کبھی بچھڑے ہوؤں کا دکھ

کسی بھی شام کی ویرانی سے لگ کر روتا ہے

شبیں بے آرزو ہو کر خاموشی اوڑھ لیتی ہیں

کبھی جب دل کے نازک تار سے لکھا گیا کوئی خط

کہیں رستے میں کھو جائے

یا خط کی منتظر خواہش کو کوئی روگ لگ جائے

جہاں موقع نکل آئے

جہاں صورت بنے غم کی

جہاں بے رونقی کا کوئی بھی پہلو نکلتا ہو

وہیں خیمہ لگاتی ہے

اداسی ٹھہر جاتی ہے

"اے ہائے۔

تم تو ڈھیٹ عاشق ہو کزن۔

واہ واہ۔

پر مجھے اداسی ایک آنکھ نہیں بھاتی ہے۔" اندر سے اداس رہنے والی زرشاہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا

"اور تم صبح صبح اتنی اداسی میں لپٹی نظم سنانے بیٹھ گئے ہو توبہ کرو۔

کوئی رنگوں سے سجی ہنستی مسکراتی سی نظم سناؤ۔"

وہ اس کی بات سن کر مسکرا دیا۔

"نظم کو کیا نظم سناؤں میں۔"

"آہاں۔" اس نے آنکھیں گول گول گھمائیں۔۔

"ہم نظم ہو گئے۔۔

کس کی نظم اور کیسی نظم۔۔؟؟۔"

"ایک ایسی نظم جو آج تک کسی شاعر کے تخیل پر نہیں اتری۔" اس کے چہرے پر پھیلتے رنگوں کو دیکھتے ہوئے وہ نہال ہوا۔

"موصوف کا موڈ بھی آج شاعرانہ ہو رہا۔

کیا بات ہے کزن۔۔راستے میں آتے کسے دیکھ لیا ہے۔" وہ قہقہ لگا کر ہنسی۔

"میں کسی کو نہیں دیکھتا بس ایک چہرہ ہے جو ہر لمحہ ہر گھڑی میرے ساتھ رہتا ہے۔وہ چہرہ جو میرے تصور کے کینوس پر ہے۔خوبصورت ہنستا مسکراتا ہوا۔۔

جو میرے اندر نظم کی طرح گنگناتا رہتا۔" اس کے لہجے میں محبت کی آنچ کچھ شدت سے اٹھی کہ زرشاہ کو لگا جیسے وہ ابھی پگھل جائے گی۔

"کون ہے وہ چہرہ۔۔۔؟"

سب جانتے ہوئے بھی اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

"بس ہے ایک۔"

کبھی بتادوں گا اسے۔"

"کب بتاؤ گے۔۔؟۔" وہ شاید اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی کچھ۔

"تمہیں بڑی جلدی ہو رہی جاننے کی۔" وہ گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

وہ سٹ پٹا گئی۔

"ارے نہیں۔میری بلا سے جو بھی ہو۔میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔"اس نے بے پروائی سے کاندھے اچکائے تو وہ ہنس پڑا۔

"ہنسنے کی کیا بات ہے۔"وہ اسے گھور کر بولی۔

"وہ کیا ہے وہ لڑکی بھی یہ جاننے کے لئے بے چین لگتی ہے جو تم جاننا چاہتی ہو۔۔"وہ شرارت سے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

"ہونہہ۔۔کوئی میسنی ہی ہو گی۔۔"اس نے برا سا منہ بنایا۔

"ہاں میسنی تو بہت ہے خوب پہچانی۔"

"مجھے کام کرنا ہے۔۔۔"وہ غصے سے اٹھی اور پاؤں پٹختی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

اپنی پیٹھ پر اسے طلال کا قہقہہ سنائی دیا تھا۔

"ہونہہ۔۔۔بڑا آیا مجھے میسنی بولنے والا۔"دل میں بولتے ہوئے وہ سیڑھیاں چڑھ آئی تھی

اور وہ محبت بھری نظروں سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کمرے سے باہر نکلی تو گھر میں گہما گہمی کا احساس ہوا۔

"کیا چل رہا ہے سکینہ۔۔؟"پاس سے گزرتی ملازمہ سے اس نے پوچھا۔

"بی بی جی۔حمزہ کی منگنی پر جا رہے سب لوگ۔"ملازمہ بتا کر چلی گئی۔

اس نے حادثے کے بعد خود کو اتنا الگ تھلگ کر لیا تھا کہ کمرے سے بہت کم نکلتی تھی۔وہ سر ہلاتی ہوئے لاؤنج کی طرف آئی۔ماجدہ پھپھو کو سامنے بیٹھے دیکھ کر اس کا منہ سا بن گیا۔وہ اسے کبھی پسند نہیں آئی تھیں۔عجیب قسم کی الجھن ہوتی تھی اسے ان کی باتیں سن کر۔باتیں کیا طعنے ہی مارتی رہتیں تھی وہ۔انہیں نظر انداز کر کے کچن کی طرف بڑھی

"اے ہائے۔۔۔کیا زمانہ آ گیا ہے۔نہ سلام نہ دعا۔۔اپنے بڑوں کی لحاظ ہی نہیں بچوں کو۔ا"نہوں نے اُسے دیکھ لیا تھا تبھی

بلند آواز میں بولیں تھیں

وہ پلٹی۔ "اوہ۔ سلام پھپھو جان۔ سوری اپنے دھیان میں تھی دیکھا نہیں آپ کو۔"

"ایسی بھی کیا بے دھیانی کی کچھ ہوش نہ رہے۔" انہوں نے ہاتھ نچا کر کہا۔

"آپا حمزہ بھائی کی منگنی ہے آپ بھی ساتھ چلیں۔" اس کی چھوٹی بہن اچانک ہی نمودار ہوئی اور اس نے شکر کیا کہ ان کی باتوں سے جان بچے گی۔

"رہنے دو لڑکی۔ اب یہ اس حال میں جا کر وہاں کیا کرے گی لوگ ہزار سوال کرتے۔"

فائزہ نے شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا اور وہ جہاں تھی وہی کھڑی رہ گئی۔

"لوگ جائیں بھاڑ میں۔ آپا آپ چلیں گی نا۔۔؟"

"نہیں میری طبعیت ٹھیک نہیں آپ سب جاؤ۔" وہ بمشکل اتنا ہی کہہ سکی اور واپس کمرے کی طرف بھاگی۔

"پھپھو آپ بھی نا۔۔ کچھ بھی بول لیتی ہیں۔" وہ اپنی بہن کو دکھ محسوس کر رہی تھی۔

"لو میں نے ایسا کیا کہہ دیا جو اسے اتنا محسوس ہوا۔ سچ ہی تو کہا۔" وہ کیا جواب دیتی اس لئے جی مسوس کر رہ گئی۔

بیگم نواز کچن سے سب دیکھ اور سن رہی تھیں۔ اپنی بڑی بیٹی کی حالت ان سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اے اللہ میری بیٹی پر رحم کر۔ نم آنکھوں سے انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ کہتے ہیں ماؤں کی دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے یہ تقدیر کو بھی بدل دیتی ہیں۔ اب بیگم نواز کے دل کی آہ عرش تک پہنچ تو رہی تھی۔ پر اسے اثر ہونے میں کتنا وقت لگتا۔۔ یہ نہ وہ جانتی تھیں نہ ہی کوئی اور۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ صبح سے اپنے کمرے کا ہو کر رہ گیا تھا۔ دوپہر کا کھانا گڑیا وہ اسے بلانے آئی تب بھی اس نے بھوک نہ ہونے کا بہانا کر کے اسے واپس بھیج دیا۔ اب وہ چائے کا کپ لیکر اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"بھیا چائے پی لیں۔" وہ چونکا۔

"میری طبعیت نہیں ہو رہی گڑیا۔" وہ چائے میز پر رکھ کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"بھائی۔۔ آپ کسی اور کے جرم کی سزاء ہمیں کیوں دے رہے ہیں۔۔؟ ماما آپ۔ کی وجہ سے اتنا پریشان ہیں۔ ایک ہی تو بیٹے ہیں آپ ان کے۔۔ آپ کو لیکر کتنے خواب دیکھیں ہیں انہوں نے اور آپ صرف ایک کے لئے ہمارے خوابوں کو کیوں مار رہے۔"

"ارے پاگل کیا ہو گیا۔ میں ٹھیک ہوں۔" وہ اٹھ بیٹھا۔

"اور تم کب سے اتنی بڑی بڑی باتیں کرنے لگی۔" اس کے سر پر پیار سے چپت لگاتے ہوئے اس نے میز سے چائے کا کپ اٹھایا۔

"باتوں کو چھوڑیں۔ یہ بتائیں ایسا کب تک چلے گا۔۔؟" وہ بھی آج دوٹوک بات کرنے آئی تھی۔

"کیسا۔۔؟" وہ انجان بنا۔

"آپ جانتے ہیں میں کس بارے میں بات کر رہی۔ زری کو سب جانتے ہیں۔ وہ ایک بار جس بات پر اڑ جائے اس سے کبھی ہٹتی نہیں۔ اور آپ جانتے ہیں اس واقعہ کے بعد وہ کس قدر بدل چکی ہے۔ ایسے میں بہتر یہی ہے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ کچھ سالوں بعد وہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گی۔ میں بھی اس کے بدلنے کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"پر کیوں بھائی۔۔؟ آپ ممانی کی طرف جاتے ہیں۔ فائزہ بتا رہی تھی کہ اب وہ آپ سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔ میرے بھائی کو کیا لڑکیوں کی کمی ہے؟ ایک ڈھونڈوں ہزار ملیں۔"

"مجھے لڑکیوں کی نہیں اس کی کمی ہے بہنا۔ اور تم جانتی ہو تمہارا بھائی ہار نہیں مانتا ہے۔ میں وہ جنگ شروع ہی نہیں کرتا جو جیت نہ سکوں۔۔"

"پر ہمارا کیا ہے بھائی؟ ہمارا قصور بتا دیں۔۔ میں اپنے بھائی کی شادی میں ناچنا چاہتی خوب شور کرنا چاہتی۔۔ میری خوشیاں بھی تو ہیں نا۔" وہ اداس ہوئی تھی۔

"ارے میری ننھی گڑیا۔ کس نے کہا تمہاری خوشیاں پوری نہیں ہوں گی۔ انشاءاللہ ضرور پوری ہوں گی۔ بس مجھے کچھ اور وقت دو۔ ماما سے کہو میری فکر کرنا چھوڑ دیں۔"

"کتنا وقت۔۔؟ مجھے ایک بار بتائیں۔۔۔ حتمی۔"

"بس کچھ وقت۔" وہ اسے ٹال رہا تھا۔

"کچھ وقت نہیں۔۔ بس تین ماہ اور اس کے بعد آپ کی کوئی بات نہیں سنی جائے گی۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" اس نے ہتھیار ڈالنے والے انداز میں کہا۔

"اپنی گڑیا کے سر کی قسم کھائیں۔" اس نے اچانک اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھا اور وہ سناٹے میں آ گیا۔

"ایسا مت کرو۔" طلال نے بے چارگی سے کہا۔

"کروں گی۔ کھائیں قسم۔" اس نے ایک لمحے کو سوچا۔

"ٹھیک ہے کھائی قسم۔" وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

"پیارا سوہنا بھائی۔" اس کی بلائیں لیتی ہوئی وہ کمرے سے نکل۔گئی۔ طلال نے ایک طویل سانس کھینچا۔ یہ۔جنگ اس کے ہاتھ سے نکلتی جارہی تھی۔

ایک ایسی جنگ جس میں اگر وہ ہار تا تو اس کے ہاتھ اس کی زندگی چلی جاتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"ایک بات بتاؤ کسی کو پرپوز کرنا ہو تو کیسے کرو گے۔؟" زرشاہ نے طلال سے پوچھا وہ اس وقت پارک میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"میں تو تمہیں ہی پرپوز کروں تو کہوں گا۔

مجھ سے شادی کرلو۔"

"ایسے فضول انداز میں اگر پرپوز کرو گے تو کام والی بیٹی بھی انکار ہی کرے گی۔" زرشاہ نے منہ بنایا۔

"عزت مآب محترمہ زرشاہ ہمدانی صاحبہ دامت برکاۃ کیا آپ طلال یزانی کے ہونے والے بچوں کی ماں کا عہدہ سنبھالنے کے لئے بقائمی ہوش وہواس سے رضامند ہوں گی؟" طلال نے اس کے آگے جھکتے ہوئے آنکھیں بند کرکے یوں کہا جیسے دعا کر رہا ہو۔

"بھاڑ میں جاؤ تم طلال۔" زرشاہ بھڑکی۔

"وہاں اکیلا جاکر میں کیا کروں گا تم بھی ساتھ چلونا۔" طلال خوشی سے کہا۔

زرشاہ نے غصے سے اسے دیکھا۔

"مجھے ایک بات آج سچ سچ بتاؤ طلال۔کیا تمہیں شرم آتی ہے کبھی؟"

"ہاں بہت زیادہ جب میں سوچتا ہوں کہ تم میری بانہوں ہو اور امی دیکھ لیتی ہیں ہمیں۔قسمے شرم سے پانی پانی ہو جاتا میں تو۔" طلال نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"تمہاری یہ بکواس باتیں سن سن کر میں مرجاؤں گی میں۔"

"دیکھو مرنا ہی ہے تو مجھ پر مرو۔اتنا ہینڈسم بندہ پاس ہو اور لڑکی یونہی مر جائے یہ سوچ کر میرا دل ڈوب مرنے کا کر رہا ہے۔"

زرشاہ نے بھنا کر اسے دیکھا اور پھر جانے کے لئے اٹھی۔

طلال نے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔

"کیا ہے چھوڑو ہاتھ میرا۔"

"زری تم جانتی ہو کہ میں مزاج کا ایسا نہیں ہوں پر پتا نہیں کیوں جب تم میرے پاس ہوتی ہو تو میرے اندر کا معصوم سا لڑکا جاگ جاتا ہے۔ جو مجھے تمہارے ساتھ شرارت پر مجبور کرتا ہے۔"

"اچھا اٹس او کے آؤ چلتے ہیں اب۔" زرشاہ نے آہستہ سے اپنا چھڑاتے ہوئے کہا۔

"آؤ وہاں چلتے ہیں جہاں تم اور میں ہوں۔ وہاں جہاں ہم یوں ملیں کہ مجھے علم نہ ہو کہ میں کہاں سے شروع ہو رہا ہوں اور تم کہاں سے مجھ میں ختم ہو رہی ہو"۔ طلال نے کھڑے ہوتے ہوئے محبت سے کہا۔

زرشاہ نے اسے گھورا۔

"ابھی تو گھر جانا ہے۔ تمہاری بات پر ٹائم ملا تو غور کروں گی میں۔" زرشاہ بے نیازی سے کہا گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

طلال نے ایک طویل سانس لی اور دل میں بولا۔

"تم نہیں جانتی ہو کہ تم مجھے کتنی عزیز ہو میں ہوں ہی اس لئے کہ تم ہو۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اپنی پسندیدہ ڈرائنگ بنا رہی تھی جب اس کی بہن کمرے میں داخل ہوئی ہانیہ بتا رہی تھی کہ طلال نے اس کے سر کی قسم کھائی ہے۔ اس کے پاس بیڈ پر گرتے ہوئے فائزہ نے اسے بتایا۔

"کیسی قسم؟" اس نہ سمجھنے والے انداز میں اپنی بہن کو دیکھا۔

"یہی قسم کے اگر وہ تین مہینے کے اندر شادی کر لے گا اگر۔" اس نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔

"اگر کیا۔۔" وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"یہی کہ اگر وہ آپ کو دوبارہ حاصل نہیں کر سکا تو۔" بہن کی بات سن کر زرشاہ کے دل کو کچھ ہوا۔

"آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟۔۔ اسے کھو بھی رہی ہیں اور کھونے سے بھی ڈرتی ہیں؟" وہ اپنی بہن کے چہرے پر بدلتے رنگوں کو دیکھ رہی تھی اس لئے بولی۔

"میں اب اس کے قابل نہیں رہی ہوں۔" انگلی پر رِنگ گھماتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"ایسا صرف آپ کی سوچ ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں سوچتا اور آپ جانتی ہیں وہ آج بھی آپ سے اتنی ہی محبت کرتا ہے جتنی پہلے کرتا تھا تو پھر ایسا سوچنے کی وجہ کیا ہے؟"

"کسی کے کہنے سے نہی ہوتا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ اب وہ بس مجھ پر رحم کھا رہا ہے۔۔ ترس کھا کر مجھے محبت کی بھیک دینا

چاہتا ہے۔اور میں کبھی نہیں چاہوں کی مجھے کچھ بھی بھیک میں ملے۔"

"ایسا نہیں ہے اپیا۔ آپ کی سوچ کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔۔وہ سچ میں آپ سے محبت کرتا ہے۔اور محبت بھیک کبھی نہیں ہوتی۔ محبت تو عطاء ہے۔۔اور آپ سے خطاء بنانے پر تلی ہیں۔"

"ایسا ہی ہے۔"اس نے یقین سے کہا۔

"وہ سوچتا ہے کہ اب مجھے کوئی اور نہیں اپنائے گا۔اس لئے وہ اپنا رہا۔۔احسان کر رہا مجھ پر۔ فائزہ نے بے چارگی سے اپنی بہن کو دیکھا اور بیڈ سے کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔ آپ بہت بڑی غلطی کر رہی ہیں۔ محبت کی عطاء کو خطاء میں بدل رہی ہیں۔اور یقین کیجیے اس خطاء کی معافی ساری زندگی نہیں ملے گی۔اچھی طرح سوچ لیں۔"وہ اسے کمرے میں اکیلا چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

"اور محبت جب تمہارے دروازے پر دستک دے تو مرحبا کہو۔کیا یہ اللہ کا فضل نہیں کہ اس نے محبت تمہارے لئے چنی بجز اس کے کہ تم میں سے بہت سے لوگ سالوں اس کے پیچھے چلتے اور ان کے ہاتھ سوائے تھکن کے کچھ نہیں آتا۔محبت پلٹ جائے تو دوبارہ نہیں ملتی۔جان رکھو کہ کائنات میں ہر رشتہ ہر تعلق محبت ہے۔محبت اس کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔پر وہ بہری بنی ہوئی تھی۔اب یہ وقت بتا دیتا کہ محبت پلٹ جائے تو دوبارہ ملتی کہ نہیں۔"

"کزن تم آخری جنگ ہار رہے ہو۔"اس نے دل میں کہا اور کاپی پر دوبارہ ڈرائنگ بنانے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

آج صبح سے ہی بارش ہو رہی تھی۔

اور وہ ٹیرس پر گرما گرم چائے کا کپ لئے انجوائے کر رہی تھی جب وہ اس کے پاس آن کھڑا ہوا۔

"کیا سہانا موسم ہے۔"طلال نے تبصرہ کیا اور اس نے مسکرانے پر ہی اتفاق کیا۔

"کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ۔"

اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا

وہ چونکی اور اس کی طرف دیکھا

"کہ۔۔۔؟؟"

طلال نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھا۔

"کہ تم مجھ پر اس بارش کی طرح کب برسو گی کب میں تمہاری بارش میں بھیگ کر اپنے صحرا نما وجود کی ہر کمی پوری کروں گا۔۔"

زرشاہ نے اسے گھورا۔

اور پھر شرارت سے بولی۔

"ہوسکتا ہے یہ بارش تمہارے مقدر میں ہو ہی نا۔ وہ کسی شاعر نہ کہا ہے۔

وہ میرے نصیب کی بارشیں کسی اور کی چھت پر برس گئیں"

"شبھ شبھ بولو بارشوں میں سنا ہے دعا قبول ہو جاتی ہے۔" طلال ایک دم سنجیدہ ہو گیا تو اسے ہنسی آئی۔

"ہونے دو میں کون سا برسنے کے لئے مری جا رہی ہوں۔"

"چپ کرو زری۔ کوئی اور بات کرو۔" وہ غصے سے بولا۔

زرشاہ نے ایک نظر اس کی آنکھوں میں پھیلتے خوف کو دیکھا اور پھر خاموشی سے بارش کو دیکھنے لگی۔

"کبھی کبھار انسان اپنے لفظوں کے جال میں اس بری طرح پھنس جاتا کہ ساری عمر اس جال سے رہائی پانے میں گزر جاتی ہے۔"

زرشاہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اپنے لفظوں کی قید بھگتنے والی تھی۔

لاہور ہلکی ہلکی بارش میں بھیگ رہا تھا۔

وہ ٹیرس پر طلال کو اکیلا چھوڑ کر لوٹ آئی۔

طلال کچھ دیر وہاں کھڑا رہا پھر بارش رک گئی اس نے ایک نظر اس طرف دیکھا جہاں وہ گئی تھی۔

اس کا اور بارشوں کا آپس میں کیا تعلق تھا۔

وہ کبھی سمجھ نہیں پایا تھا۔

بارش رُک گئی یک دم

چھت سے وہ اتر گئی ہو گی

☆☆☆☆☆☆☆☆

لاہور میں بارشوں کا راج تھا۔ آج وہ صبح سے فرمائش لیکر بیٹھی تھی کہ اسے شاہی قلعہ دیکھنا ہے۔ گھر والے اسے سمجھا سمجھا کر تھک چکے کہ تھے کہ سردی بہت ہے

وہ نازک بھی تو اتنی تھی کہ یہاں موسم بدلا وہاں وہ بیمار ہوئی۔۔ اور اس کا بیمار ہونا بچوں سا بیمار ہونا تھا۔ بلکہ زیادہ مشکل تھا۔

دوائی کھانا اسے زہر لگتا تھا۔

دیکھو بارش تیز ہے بہت اور ایسے میں باہر جانا ٹھیک نہیں۔

اب وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

کیوں نہ جاؤں۔ مجھے قلعہ دیکھنا ہے کہ بارش میں وہ کیسے دکھائی دیتا۔

وہ چمک پر بولی تھی۔

مگر۔۔

اس نے کہنا چاہا پر اس نے بات ہی کاٹ لی۔

اگر مگر کچھ نہیں جانا تو جانا ہے۔ اگر تم نہیں لے کر جا رہے تو میں خود چلی جاتی ہوں۔

وہ جانے کے لئے اٹھی اور طلال نے غیر ارادی طور پر اس کی کلائی کو پکڑا۔

جہاں وہ ایک لمحے کے لئے سن ہو گئی تھی وہاں طلال بھی شرمندہ ہوا۔

میں باہر گاڑی میں تمہارا انتظار کرتا ہوں۔ تیار ہو کر آجاؤ

وہ اس سے نظریں چراتا ہوا کہہ کر باہر نکل گیا۔

اور اس کا لمس اس کی کلائی پر رہ گیا۔

جسے اس نے چوڑیوں کی طرح پہن لیا۔ جب وہ تیار ہو کر باہر آئی تو وہ اس کی طرف دیکھنے سے اجتناب کر رہا تھا۔

وہ گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

وہ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھی تھی۔

کوئی میوزک لگاؤ کزن

اس نے کہا اور ساتھ خود ہی ٹیپ ریکارڈر کی طرف ہاتھ بتایا۔ اور ٹھیک انہی لمحوں میں طلال نے ہاتھ آگے کیا

ایک بار پھر اس کے ہاتھ پر اس کا ہاتھ لگا تھا۔ طلال نے جھٹکے سے ہاتھ واپس کھینچا۔

اور زر شاہ کا دل کیا وہ قہقہ لگائے۔

وہ ایسے ری ایکٹ کر رہا تھا جیسے وہ لڑکی تھا اور زر شاہ لڑکا۔۔

ہو نہہ۔ ویسے تو بڑا اطرم خان بنا پھرتا ہے باتیں کر کے زچ کرتا پر اب بولتی بند ہو چکی موصوف کی۔

وہ دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔

روکو روکو۔

اچانک وہ چلائی اور طلال نے عجلت میں بریک لگائی۔

کیا ہوا خیریت ہے کیا ہو گیا۔

وہ پریشانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

ہونا کیا ہے وہ سامنے چائے اور پکوڑے بن رہے مجھے کھانے چائے کے ساتھ

اس نے بے پروائی سے کہا اور طلال کر کا دل کیا اپنا سر پیٹ لے۔

تو آہستہ سے نہیں بتا سکتی تھی میں سمجھا جانے کیا ہو گیا۔

وہ برہم ہوا تھا۔

لو اب بتا دیتی ہوں آہستہ سے۔

عزت مآب جنابِ محترم طلال ابراہیم صاحب

میں نے چائے اور پکوڑے نوش فرمانے ہیں اگر آپ کے مزاج پر ناگوار نہ تو کیا آپ مجھے لا کر دے سکتے ہیں۔

اس نے منہ بنا بنا کر کہا تو طلال قہقہ لگا کر ہنس دیا۔

گاڑی اس نے ڈھابے کے پاس کھڑی کی اور خود اترنے لگا۔

نہیں نہیں تم اندر رہو۔

اسے اترتا دیکھ کر وہ بولا تھا۔

کیوں میں نے وہاں جا کر پکوڑے کھانے گاڑی میں نہیں۔

طلال نے اسے گھورا۔

اور پھر اپنا کوٹ اتار کر اسے دیا۔۔

وہ جانتا تھا کہ وہ لڑکی اپنی مرضی ہی کرے گی اس لئے روکنا فضول تھا۔

اس کے کوٹ کو سر پر ڈالے وہ وہاں تک پہنچی تھی۔

کوٹ نے اسے بچا لیا تھا۔ پر وہ تھوڑی بھیگ چکی تھی۔

ڈھابا خالی تھا اور نور جہاں کی پرانی غزل اس میں سنائی دے رہی تھی۔

مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ

میں نے سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات

تیرا غم ہے تو غمِ دہر کا جھگڑا کیا ہے

تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات

تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے؟

تو جو مل جائے تو تقدیر نگوں ہو جائے

یوں نہ تھا، میں نے فقط چاہا تھا یوں ہو جائے

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا

راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

ان گنت صدیوں کے تاریک بہیمانہ طلسم

ریشم و اطلس و کمخاب میں بُنوائے ہوئے

جا بجا بکتے ہوئے کوچہ و بازار میں جسم

خاک میں لتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے

لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجے

اب بھی دلکش ہے ترا حسن مگر کیا کیجے

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں میں محبت کے سوا

راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ

وہ مزے سے پکوڑوں کے ساتھ انصاف کر رہی تھی اور وہ اسے بچوں کی طرح کھاتے دیکھ رہا تھا اور میوزک کی دھنوں میں محبت کی دھن سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

ایسے کیا گھورے جا رہے ہو مجھے۔

اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ گھور رہا اسے۔

گھور نہیں رہا محبت سے دیکھ رہا۔

وہ نرمی سے گویا تھا۔

اچھا کیا دیکھ رہے ہو۔

دیکھ رہا کہ تم کتنی خوبصورت ہو۔ جیسے آسمان میں پھیلی ہوئی دھنک ہو۔

جیسے بلندی سے گرتی کوئی آبشار جس کی آواز میں سکون لہریں لے رہا ہو۔

یا برفیلی پہاڑیوں کے دامن میں سوئی ہوئی کوئی پر سکون سی جھیل جس پر چودویں کا چاند چمک رہا ہو۔

واہ کزن۔ کیا شاعرانہ ہو رہے ہو۔

وہ پوری توجہ سے پکوڑے کو چٹنی میں ڈبو رہی تھی۔

کیا کروں

غزل سامنے ہو تو شاعری آنے ہی لگتی ہے۔

بس بس رہنے دو۔

مجھ پر یہ باتیں اثر نہیں کرتی ہیں۔ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

واپسی پر بھی وہ ہلکی سی مزید بھیگ چکی تھی۔

بارش کی کچھ شریر بوندیں بڑی گستاخی سے اس کے گالوں پر گری تھیں۔۔

اپنے گال سے پانی کی بوندوں کو ہٹاؤ۔

اس کا لہجہ کچھ عجیب سا تھا۔ اس لئے وہ چونکی۔

کیوں۔۔؟؟۔

مجھے پسند نہیں کہ میرے علاوہ تمہیں کوئی اور چھوئے۔

طلال کا لہجہ بدستور عجیب سا تھا

وہ اسے لیکر بہت زیادہ پروزیسو تھا اور یہ بات وہ جانتی تھی۔

گاڑی میں دھیما دھیما سا میوزک پھیل رہا تھا۔

قلعے تک پہنچتے پہنچتے زرشاہ کو دو چار چھینکیں آچکی تھیں۔

اور جب گاڑی قلعے کی پارکنگ لاٹ میں داخل ہوئی وہ نان سٹاپ چھنکیں مارے جا رہی تھی

طلال غصے اور تشویش کی ملی جلی کیفیت کا شکار تھا۔

بولا تھا مت نکلو سنتی ہی نہیں اب اپنی حالت دیکھو۔

میں قلعہ۔۔۔اچھھ چھی۔

دیکھوں گی۔

طلال نے اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے گاڑی واپس موڑلی تھی۔

اور وہ چھینکوں کے درمیان اس پر مسلسل برسے جارہی تھی کہ وہ قلعہ دکھائے بغیر اسے واپس لیکر جارہا۔

بارشیں بھی ہوتی رہتی ہیں اور قلعہ بھی یہاں ہی ہے۔

اطمیان سے کہتے ہوئے وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔

شاید وہ نہیں جانتے تھا کہ بارشیں تو ہوتی ہوتی رہتی ہیں پر بارشوں میں ملے کچھ خاص لمحے دوبارہ کبھی نہیں ملتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

پاس آؤ کہ سانسوں میں گھول کے پی لوں تجھے

توبہ ہے طلال۔

کتنے ہودہ ہو رہے تم۔۔

اس کی بات پر وہ لال ہوئی تھی۔

کیوں بھئی۔۔

اپنے ہونے والی بیوی کو گھول کر پینا کوئی بری بات ہے۔

وہ شرارت کے موڈ میں تھا۔

میں کوئی کیلشم کی گولی نہیں جسے تم گھول کر پی لوگے۔

اس نے منہ بنایا۔

تم وٹامن محبت ہو۔۔جس کی مجھے شدید کی کمی ہے

وہ چہکا۔

زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے سمجھے اور یہ ٹین ایجز والی حرکتیں تم پر سوٹ نہیں کرتی ہیں۔

وہ کیا ہے کہ اکثر تمہیں دیکھ کر میرے اندر کا شریر ٹین ایجر جاگ جاتا ہے۔

اسے سلائے رکھو تو زیادہ بہتر ہو گا۔

تم اسے لوری سناؤ گی یا کوئی محبت کی کہانی تو وہ سو جائے گا۔

میرے پاس اتنا فضول وقت نہیں ہے سمجھے۔

اس نے طلال کو گھورا۔

اہ۔اب ہمارے لئے تمہارے پاس فضول وقت بھی نہیں رہا ہے۔

ہائے نصیب۔

وہ اداس ہوا جیسے۔

اے۔زیادہ ناٹک مت کرو اچھا۔۔میرے پاس ان حرکات کے لئے وقت نہیں ہے۔اب چپ کر کے بیٹھو مجھے اسائمنٹ بنانے دو۔

پہلے ہی لکھا نہیں جا رہا اور اوپر سے تم مزید مجھے الجھا رہے۔

زرشاہ۔

طلال نے اسے پکارہ۔

کیا ہے۔وہ جھنجھلائی۔

کبھی محبت کی روشنائی سے اپنے دل کے صفحے پر مجھے بھی تو لکھو کبھی تو مجھے وہاں ملو جہاں تمہارا وقت میرا ہو۔مجھے وہاں ملو جہاں سے تم شروع ہو کر مجھ پر ہی ختم ہو جاؤ۔

اس جگہ جہاں تم میرا جہاں بن جاؤ اور میں اس جہاں کا وقت بن جاؤں۔

خلاف معمول وہ زرشاہ کے رویے سے ہرٹ ہوا تھا۔

ہزار کام چھوڑ کر وہ بس ایک نظر اسے دیکھنے اور بات کرنے ہی تو آتا تھا۔

اور وہ بس اپنے موڈ کے حساب سے اسے ٹریٹ کرتی تھی۔

وہ اسے چھوڑ کر باہر نکل گیا تھا۔

اور وہ لڑکی جو پوری توجہ سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

اسے یوں جاتا دیکھ کر ایک طویل سانس لیکر رہ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مجھے بھول جاؤ طلال۔

یہ کہتی کہ مر جاؤ طلال تو اتنا دکھ ہوتا۔

وہ تڑپی۔

ایسا کیوں کر رہے ہو۔۔؟؟

یہ کیوں نہیں پوچھتی کہ سانس کیوں لے رہے ہو۔؟

بدلہ لے رہے ہو۔۔؟

نہیں تو۔

اس نے مختصر سا جواب دیا۔

شادی کر لو اب کسی سے۔ محبت مر گئی سمجھو۔

جن کو محبت ہو جاتی وہ نہیں بھول سکتے۔ میں نے تو تم سے محبت کی ہے مس زرشاہ یزدانی۔

اس کا لہجہ بلند ہوا تھا۔

میں اندر سے مر چکی ہوں۔ اور ایک مرے ہوئے انسان کے لئے اپنی زندگی برباد نہ کرو۔

محبت زندگی بخش دیتی ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ میری محبت تمہیں زندہ کر دے گی

ایسا کبھی نہیں ہو گا

ہوا تو۔۔؟۔

تم جانتے ہو مجھے اس لئے جو میں کہہ رہی وہ سنو

اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

کچھ دیر دونوں خاموش رہے وہ سر جھکائے ناخن سے پالش کھرچتی رہی۔

اور وہ اسے دیکھتا رہا۔

اپنا خیال رکھا کرو کمزور ہو رہے ہو۔

اچانک اس نے سر اٹھایا

تمہارے خیال سے نکلوں تو اپنا خیال رکھوں۔

میں امی سے ہمارے رشتے کے متعلق بات کروں گی آج

اس نے ان سنی کرتے ہوئے کہا

کیا بات۔۔؟

کہ اسے اب ختم کریں اور تم مجھے۔

اس نے جملہ ادھورا۔

تم مجھے کیا۔۔؟

اس کی آواز کانپ گئی تھی۔

طلاق دے دو۔

زرشاہ نے انتہائی مضبوطی سے کہا۔

طلال نے ضبط سے اس قدر زور سے مٹھی کو بھینچا کہ موبائل ٹوٹ کر اس کی کرچیاں اس کے ہاتھ میں پیوست ہو گئیں۔

پر اسے جیسے خبر نہیں تھی۔

طلال

زرشاہ نے خون دیکھ کر چیخ ماری تھی

مجھے جانا ہو گا۔

طلال جب بولا تو اس کی آواز کسی بھی جذبے سے یکسر خالی تھی۔

زرشاہ نے اس کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑا

اس کی چیخ پر سب وہاں جمع ہو چکے تھے۔

پر اسے کہاں ہوش تھا

وہ مسلسل چیخ رہی تھی

میں ٹھیک ہوں زری ہوش کرو۔

پر وہ اس کی بات سننے سے پہلے ہی بے ہوش ہو چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

طلال نے اتر کر اس کے لئے دروازہ کھولا تھا۔

وہ اسے یونیورسٹی چھوڑنے آیا تھا۔

ویسے ایسے ہی میں اپنے دل کا دروازہ کھولے ہوئے بیٹھا ہوں کبھی گاڑی سے اترنے کے بجائے میرا دل میں اترو نا۔

زرشاہ نے اتر کر اسے گھورا۔

میرے دل میں سماتے ہوئے کچھ خوف نہ کھا

تُو میرے دل میں سما سکتا ہے دھڑکن کی طرح،!

اس کے گھورنے پر طلال نے شعر پڑھا۔

مسٹر طلال ابراہیم آپ اپنی ڈیوٹی کر چکے ہیں اب اچھے بچوں کی طرح گاڑی میں بیٹھیں اور جائیں۔زیادہ محبت جھاڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو یہ یونیورسٹی ہے میری سمجھے آپ۔

اجی قبلہ زرشاہ صاحبہ۔خاکسار تاعمر آپ کے لئے یہ ڈیوٹی بجالانے میں فخر محسوس کرے گا۔پر اگر طبع نازک پر گراں بار نہ ہو ناچیز یہ عرض کرنا چاہے گا ایک دو کلاسس یونیورسٹی آف لوریا کی بھی لیں آپ۔اس سے یہ ہو گا مزاج دشمناں میں خاطر خواہ تبدیلی آئے گی اور اگر زیادہ کلاسس لیں تو کچھ بعید نہیں ہے کہ آپ گاڑی سے اتر کر یہ ارشاد فرمائیں،

سنو منے کے ابا۔اسے سکول کے اندر تک چھوڑ کر آنا۔اور پھر پچھلی کھڑکی سے جھانکتے ہوئے منے کو چوم کر اسے کھانا وقت پر کھانے کی ہدیات دیتے ہوئے آپ یونیورسٹی میں جائیں۔

طلال نے اس کی بات کے جواب میں حسرت بھرے لہجے میں کہا تو زرشاہ تپی۔

کتنا فضول بولتے ہو آپ طلال اور اس قدر نستعلیق قسم کی اردو اف۔تمہاری آدھی باتیں تو سر سے گز گئیں میرے۔اب جائو بھی۔

پر طلال نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

ویسے منے کو چومنے سے یاد آیا کہ اس فقیر کے گال بھی کب سے آپ کی شیریں لبوں کے لئے ترس رہے ہیں۔پر ایک آپ ہیں کہ جب بھی بولتی ہیں ہمارے دل کو زخمی کرتی ہیں۔

پر چلو کوئی بات نہیں کبھی تو آپ کا دل پسیج ہو گا اور ہمارے رخسار مبارک پر آپ فرط جذبات میں بوسہ ثبت کرتے ہوئے فرمائیں گی۔

"میری مجازی خدا اپنا بہت سارا خیال رکھئے گا اور میں۔

بس بس۔اب مزید کچھ بولے تو تمہاری خیر نہیں ہو گی طلال۔زرشاہ نے اسے ٹوکا۔

میری خیر تو ویسے بھی نہیں ہے۔تم جیسی منگیتر کا ہونا کیا کم ہے۔جس میں رومانس کے جراثیم ہی نہیں ہیں۔خدا جانے آنٹی نے بچپن میں تمہیں کون سا اینٹی رومانس انجیکشن لگوایا تھا کہ محبت اور رومانس کے سارے جراثیم وفات پا گئے۔

زرشاہ کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ واپس بند کر دیا۔اس کی کلاس میٹ تحریم وہاں آچکی تھی۔

ہائے گائز۔وٹس اپ؟

کہیں میں کباب میں ہڈی تو نہیں بن گئی ہوں۔؟

تحریم نے ہنستے ہوئے کہا تو زرشاہ کا مزید منہ بن گیا۔

"آپ کہاں ہڈی بنی ہیں یہاں تو پورا کباب ہی ہڈی کا ہے۔طلال نے زرشاہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

زرشاہ نے اس کی بات کو نظر انداز کیا اور بولی۔

یہ میری دوست ہے تحریم ہم ایک ہی کلاس میں ہوتے ہیں۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسٹر طلال۔تحریم نے خوش مزاجی سے کہا۔

پر مجھے تو زرا بھی نہیں ہوئی۔

طلال نے بڑے سنجیدہ انداز میں کہا تو زرشاہ نے اسے غصے سے دیکھا اور بولی۔

ایسے کہتے ہیں کسی کو۔

اچھا سوری۔

کیسی ہیں آپ زری کی دوست۔کیا پروگرام ہے آپ کا۔کیوں نہ کل ہم ساتھ ڈنر کریں پھر لانگ ڈرائیو پر سا جائیں۔کچھ ایک دوسے کو جاننے کا موقع ملے آپ کو پتا چلے کہ آپ کی سہیلی کا فیانسے کس قدر اچھا اور جولی سا انسان ہے۔بات سے بات نکلے اور۔

طلال نے نان سٹاپ بولنا شروع کیا تو زرشاہ پھٹ پڑی۔

شٹ اپ طلال۔شرم تو نہیں آتی تمہیں میرے سامنے کسی اور سے یہ باتیں کرتے ہوئے۔

تحریم ہنسے جا رہی تھی۔

لو بھئی۔اب تم میری یہ باتیں سنتی نہیں ہو اس لئے سوشا موقع بھی ہے دستور بھی کیوں نہ کہہ ہی دوں یہ سب۔

مائے گاڈ زرشاہ۔آپ کا فیانسے کس قدر زندہ دل انسان ہے۔

تحریم کا ہنس ہنس کر برا حال ہو رہا تھا۔

غنیمت ہے کے محترمہ زرشاہ کے پاس ہوتے ہوئے بھی میرا دل زندہ ہے۔۔ویسے تعریف کے لئے شکریہ زری کی دوست۔

طلال نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے انکساری سے کہا تو تحریم نے قہقہ لگایا۔

زرشاہ نے تحریم کا بازو پکڑا اوساتھ کھینچ کر لے گئی۔

ویسے جو باتیں تمہاری دوست سے کیں ان باتوں کی مخاطب آپ تھیں محترمہ زرشاہ جی۔

طلال نے پیچھے سے آواز لگائی۔

اور پھر مسکراتا اور گاڑی میں جا بیٹھا۔اور تب تک گاڑی میں بیٹھا زرشاہ کو دیکھتا رہا جب تک وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔

☆☆☆☆

وہ اس کے ہاتھ پر بینڈج دیکھ رہی تھی۔

سہہ نہیں پاتی تو ایسا کیوں کر رہی ہو زرشاہ؟

یہ زخم تو نظر میں اگیا پر جو نشتر تم میرے سینے میں پیوست کرتی ہو وہ کیوں نہیں دیکھتی ہو؟

یہ تو جسم کا زخم ہے بھر جائے گا

پر جو روح کے زخم ہوتے نا وہ کبھی نہیں بھرتے ہیں۔ان سے ہمیشہ خون رستہ رہتا ہے جو اندر گرتا ہے۔۔

وہ دھیمے لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔

ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ زہنی دباؤ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے بس۔اور تم جانتے ہو خون دیکھ کر میں بہت ڈر جاتی ہوں۔

وہ چاہے کس کا بھی ہو۔۔

آخری جملے میں جانے وہ کیا جتا رہی تھی۔

تم واقعی میں چاہتی ہو کہ میں چلا جاؤں؟

وہ آج بہت سارے فیصلے کر کے آیا تھا۔اس لئے بڑے مضبوط لہجے میں ہوچھ رہا تھا۔

میں کہی بار کہہ چکی ہوں میرا جواب تم جانتے ہو

وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی

ہاں جانتا ہوں

پر پر مجھے یقین نہیں آتا ہے کہ تم دل سے ایسا کہہ رہی ہو۔۔ میرے لئے یہ یقین کرنا کہ میں تمہارے دل میں نہیں رہا کتنا مشکل ہے شاید تم نہیں جانتی ہو۔

اب یقین کر لو طلال۔ اپنی زندگی کو جیو۔

یقین۔؟

میں کیسے یقین کروں کہ جو میرے دل میں دھڑکن کی سنایا ہوا ہے جو میری سانسوں میں سانس لیتا ہے وہ اب میرا نہیں رہا۔؟۔

میں یقین کر لوں کہ جو خواب دیکھا تھا وہ ٹوٹ کر میری آنکھوں میں کرچیوں کی طرح پیوست ہو چکا ہے؟

کرتا ہوں یقین تم پر میں۔

میری طرف دیکھو اور کہو کہ میں اب تمہاری زندگی میں نہیں رہا ہوں۔ میرا خیال تمہارے دل کے آنگن میں نہیں اترتا ہے۔

مجھے تمہاری قسم پھر دوبارہ کبھی طلال یزدانی تمہارے سامنے نہیں آئے گا۔

زرشاہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بہت بڑی قسم کھا بیٹھا تھا

اس کی آنکھوں میں زرشاہ نے چٹانوں کی سی سختی دیکھی تھی

وہی سختی جو اس کی پہچان تھی۔ وہ پتھر بن رہا تھا۔

وہ خاموشی سے اس کا جواب سننے کا منتظر تھا۔

کیا وہ واقعی اسے چھوڑ دے گا۔

وہ جسے کھونا چاہتی تھی اسے کھونے دے بھی ڈرتی تھی

کہی لمحے خاموشی سے گزر گئے۔۔

پھر زرشاہ نے طویل سانس لیا اور کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا

دروازہ کھلا اور فائزہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔

آج پھر درخت سے چڑیا کا بے بی گرا ہے آپی۔۔

طلال اور زرشاہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

کچھ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی کیا کیا یادیں وابستہ ہوتی ہیں۔۔ دونوں ہی ماضی میں پہنچ گئے تھے۔

☆☆☆☆☆

وہ چڑیا کے بچے کو انڈہ کھلانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی کب سے اور طلال کا ہنس ہنس کر برا حال تھا

تم ہنس رہے ہو اور یہ زکام سے مر رہا ہے۔

اسے کے یوں لگاتار ہنسنے پر وہ تپی تھی۔

اچھا تمہیں کس نے بتایا اسے زکام ہو رہا ہے۔

چڑیا کے بچے نے۔۔

اس کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔

تم اور امی ایک سے ہو۔پہلے وہ غصہ کرتی رہیں کہ چڑیا کا بچہ ہے یا تمہارا بھتیجا جو اسے انڈہ کھلا رہی

جب میں نے دہائی دی کہ یہ کھا نہیں رہا تو آگے سے مزید جلی کٹی سنائیں کے مرغی کے بچے کو بھی انڈہ بوئل کر کے کھلا دو

زر شاہ نے اپناد کھڑا سنایا تو طلال کا قہقہہ مزید بلند ہوا۔

خالہ ٹھیک ہی تو کہتی ہیں۔وہ محفوظ ہو رہا تھا

مرو تم

وہ غصے سے بولی

آہ۔مر تو کب کا چکا ہوں تم پر میری چڑیا

وہ فدا ہونے والے انداز میں بولا تھا۔

چپ کرو تم تو

اس نے موبائل نکالا۔

کسے کال کر رہی ہو تم

وہ حیرت سے بولا

جواب میں اسے گھور کر زر شاہ نے موبائل کان سے لگا دیا

انکل زر شاہ بول رہی ہوں

جی جی

مصطفیٰ ہمدانی کی بھتیجی۔

انکل بخار ہو اور نزلہ تو کیا کرنا چاہیے

وہ کچھ دیر دوسری طرف کی بات سن کر سر ہلاتی رہی

پھر تھینک یوں انکل کہہ کر کال کاٹی۔

کسے کال کی تھی ؟۔

وہ دوبارہ پوچھ رہا تھا۔ فیملی ڈاکٹر کو۔

طلال نے پھر بلند قہقہ لگایا اور زرشاہ نے چڑیا کے بچے کو نرمی سے اٹھایا اور اندر چل دی

اب کہاں جا رہی ہو۔ وہ بھی اس کے پیچھے آیا تھا۔۔۔

اسے ٹھنڈے پانی سے نہلانا ہے اب۔

طلال نے اپنے سر پر ہاتھ مارا

یہ آج بچنے والا لگتا نہیں ہے مجھے۔ چڑیا کے بچے کو رحم سے دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔

خبر دار جو یہ منحوس بات پھر کی تم نے

وہ غصے سے پلٹی تھی

اوکے اوکے۔۔ ریلیکس اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے

اب وہ اسے ٹھڈنے پانی سے نہلا رہی تھی۔

مجھے روم سے کنگھی لا کر دو۔

نہلا کر وہ اسے بولی تو وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگا

اففف کیا دیکھ رہے ہو تم۔۔ ابھی اس کو کنگی بھی تو کرنی۔

وہ سر ہلاتا اٹھا اور اسے کنگھی لا کر دی۔

اسے کنگھی کرنے کے بعد اب وہ کچھ سوچ رہی تھی

کیا سوچ رہی ہو؟

طلال نے پوچھا۔

یہی کہ اسے اب پرفیوم کون سی لگاؤں۔

طلال کا دل کیا سر پیٹ لے اپنا۔

وہ چڑیا کا بچا اسے پکڑا کر کمرے میں گئی اور جب لوٹی تو اس کے ہاتھ میں پرفیوم تھی۔

یہ تو وہ ہے جو میں نے گفٹ کی تھی وہ

ہاں تو کیا ہوا؟

پر میں نے تمہارے لئے گفٹ کی تھی۔ طلال نے احتجاج کیا پر وہ کسی کی کہاں سنتی تھی۔

وہ بے پرواہی سے پرفیوم لگا رہی تھی اب چڑیا کے بچے کو۔

وہ کیا کہتا چپ ہی رہ گیا۔

اب کیا ارادے ہیں کیا کرنا رہ گیا اس معصوم کے ساتھ

کچھ دیر بعد وہ دوبارہ بولا تھا

کچھ نہیں اب ہم ساتھ ملکر کاٹون دیکھیں گے۔۔

پاگل لڑکی اس سے پوچھ لو کہ کیا اسے کاٹون پسند ہیں۔۔ آج کل تو بچے بھی موویز دیکھتے۔

اسے دوبارہ ہنسی آئی تھی۔

نہیں یہ شریف سا لگتا ہے۔ تم اپنے جیسا نا سمجھو اسے۔۔

وہ اسے اٹھا کر ساتھ لے گئی

اور طلال ہنستے ہوئے باہر کو نکلا۔

عجیب پاگل لڑکی ہے۔ پتا نہیں شادی کے بعد میرا کیا حال کرے گی۔

وہ دل میں سوچ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

محبت کی بستی"

اک روز

روپ نگر کی شہزادی

کسی شہزادے کا پیچھا کرتے کرتے

محبت کی بستی میں نکل آئی

جب بستی سے نکلنا چاہا تو

اسے کوئی راہ دکھائی نہ دی

پھر شہزادی نے

محبت کی بستی میں آباد

ہر شخص سے

واپسی کی راہ پوچھی

مگر پتہ چلا کہ

محبت کی بستی میں

ہر شخص ہی بھٹک رہا ہے___!!!

(حوریہ ایمان ملک)

وہ بھی محبت کی بستی میں مقید ہو چکی تھی۔ایک حصار جو دکھائی تو نہیں دیتا ہے پر انسان خود کو اس سے میں قید محسوس کرتا ہے۔

رات آدھی ڈھل چکی تھی۔ہر طرف سناٹا تیر رہا تھا۔نامعلوم سا خوف اسے بے چین کر رہا تھا۔

وہ اپنے بستر سے اٹھی اور ٹیرس پر آگئی

چودھویں کا چاند پوری آب و تاب سے آسمان میں تاروں کے ہمراہ ٹہل رہا تھا۔نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

ایک بے نام سی اداسی تھی جو اس کے وجود کو اپنی بانہوں میں سمیٹ رہی تھی۔ان دنوں میں وہ کسی بھی چیز کو عنوان نہیں دے پاتی تھی۔۔ہر چیز بے نام تھی۔

آخر کو وہ نام دیتی بھی کیا؟

زندگی میں ہر چیز کو عنوان تھوڑی ہوتا ہے۔۔یادوں کی ڈائری میں موجود ہر کہانی کا عنوان نہیں ہوتا۔۔نہ ہر رشتے کا کوئی نام۔۔کچھ رشتے اور کہانیاں بنا عنوان اور نام کے بھی ہمیشہ یاد رہ جاتی ہیں

وہ کچھ دیر وہاں کھڑی چاند سے سرگوشیوں میں بات کرتی رہی پھر واپس کمرے میں لوٹ آئی۔صبح ہونے کو کافی وقت تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

جیسے جیسے وقت گزرتا جارہا تھا ویسے ویسے طلال کو معاملہ اس کے ہاتھ سے نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔

یہ نہیں کہ وہ کمزور انسان تھا یا زندگی میں اٹل فیصلے لینا نہیں جانتا تھا۔

کوئی بھی کمزور نہیں ہوتا بس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی آپ کے لئے کتنا اہم ہے اور اس کی موجودگی آپ کی زندگی میں کیا معنی رکھتی ہے۔

وہ زرشاہ سے واقف تھا اور اس کی ضد کو بھی اچھی طرح سے جانتا تھا۔

سچ کہتے ہیں کہ کچھ جذبے آپ کو کمزور کر دیتے ہیں

محبت بھی ان جذبوں میں سے ایک طاقتور ترین جذبہ تھا جو انسان سے امر بیل کی طرح لپٹ کر اسے جکڑ لیتا تھا۔

وہ زرشاہ کے ساتھ زندگی جینا چاہتا تھا۔

وہ اس سے محبت کرتا تھا اور اسے فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ کب تک اپنی موجودہ ضد پر قائم رہتی۔ طلال وہ لڑائی شروع نہیں کرتا تھا جسے جیتنا جانتا نہ ہو۔

پر یہاں بات اس کی اپنی ذات کی نہیں تھی۔ بات اس سے جڑے رشتوں کی تھی جن کا اس پر حق تھا۔ وہ اپنی خوشی کے لئے ان کو سولی نہیں چڑھا سکتا تھا۔

گھر کا بڑا بیٹا ہونے کی ذمہ داری کافی بڑی تھی۔

زندگی میں انسان کچھ رشتوں کے لئے کچھ دیگر رشتوں سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے۔ بہت ساری چیزیں سے انسان نہ چاہتے ہوئے بھی دستبردار ہوتا ہے۔

وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیا کرے۔ اگر وہ جھکتا تھا تو محبت ہاتھ سے جاتی تھی اگر اپنی بات پر قائم رہتا تو اس جنگ میں اگر اسے زرشاہ ملتی نہ ملتی پر ایک بات تھی کہ وہ کچھ رشتے ضرور ہار جاتا۔

وہ کوئی درمیانی راستہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ ایسا جس پر وہ سب کو ساتھ لیکر چل سکے کسی کو پیچھے چھوڑ جانے کا ملال تاعمر اسے دیمک کی طرح نہ کھائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

طلال نے سگرٹ سلگایا تو زرشاہ نے جھپٹ کر اس کے ہونٹوں سے سگرٹ نکال کر ایش ٹرے میں مسلا اور غصے سے بولی۔

کتنی بار کہا ہے کہ جب میرے ساتھ ہو تو سگرٹ سے دور رہا کرو۔ مجھے اس کی خوشبو زرا بھی پسند نہیں ہے۔

طلال نے ایک نظر سگرٹ کو دیکھا۔

یہ میرا آفس ہے میری مرضی میں جو کروں سمجھی۔

ہونہہ۔ تمہارا آفس نہیں ہے ابراہیم انکل کا ہے تم تو شکل سے ہی اس دفتر کے چپڑاسی لگتے ہو۔

ہاں بھئی۔ ویسے بھی جس لڑکی سے میری قسمت ہو رہی اس کے تیور تو مجھے یہی بتا رہے ہے کہ اتنی بڑی کمپنی کا اکلوتا مالک تو اس کے نصیب میں ہو نہیں سکتا ہے چپڑاسی ہی کوئی ہو گا۔

وہ کہاں چپ رہنے والا تھا اس لئے فوراََ حساب بے باق کیا۔

ہاں میرا نصیب ہی ایسا ہے اب کیا کروں۔ زرشاہ نے طلال کو دیکھتے ہوئے طنز کیا تو طلال ہنسا اور پھر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ وہ آج وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

اور کتنی بار کہوں کہ ایسے مجھے گھورانہ کرو شریف انسان ایسے لڑکی کو گھورا نہیں کرتے ہیں۔ طلال کے یوں دیکھنے پر وہ ہمیشہ کی بھڑکی۔

کس احمق نے کہا کہ میں شریف ہوں۔۔؟؟ وہ شرارت سے بولا۔

میں نے تمہیں شریف کہا نہیں شریف انسان کی نشانی بتائی ہے۔ تم ہو ہی ایک نمبر کے لوفر۔ اور ایک بات بتائو یہ اتنی خوبصورت سیکرٹری کس لئے رکھی ہوئی ہے تم نے کام تو ایک آنے کا نہیں کرتے ہو تم۔

کچھ جل رہا ہے بھئی۔ طلال ہنسا۔

جلتی ہے میری جوتی۔ یہ تو ویسے ہی پوچھ رہی میں تو۔

اصل میں سارا دن یہاں ہو تا تو بور ہو جاتا۔ ارد گرد حسن ہو تو وقت اچھا کٹ جاتا ہے۔

وہ ہونٹوں کو دانتوں میں دبائے شرارت سے بولا تو زرشاہ کے منہ کا زاویہ مزید بدلا۔

طلال نے بیل بجائی۔

یس سر۔!

سیکرٹری فوراََ نمودار ہوئی،

مس ٹینا دو کپ کوفی اگر عنایت کر دیں تو نوازش ہو گی۔

شیور سر۔! وو جانے کے لئے پلٹی۔

ممکن ہو تو اپنے دست مبارک سے بنا دیں آپ کے ہاتھوں کی کوفی آپ کی طرح میٹھی ہوتی ہے۔

ٹینا نے حیرت سے طلال کو دیکھا۔ ایسی بات اس نے پہلی بار کی تھی ورنہ وہ کام سے کام رکھتا تھا۔

ل زرشاہ کو دیکھ رہا تھا جس کا چہرہ لال ہوئے جا رہا تھا۔

ٹینا معاملہ سمجھ کر مسکرائی۔

یہ سب کیا تھا۔۔ٹینا کے باہر جاتے ہی زرشاہ نے پھٹ پڑنے والے انداز میں کہا۔

کیا یہ سب۔۔طلال انجان بنا۔

شودے کہیں کے۔

زرشاہ کی بات پر طلال نے قہقہ لگایا۔اور پھر سگرٹ منہ میں دیا۔

ابھی میں نے کیا کہا تھا؟

اسے سگرٹ منہ میں پکڑتا دیکھ کر زرشاہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

طلال نے سگرٹ واپس رکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر زرشاہ کے پاس آیا۔اور اپنی کہنی ٹیبل پر رکھتے ہوئے زرشاہ کی زلفوں کو پیچھے کیا۔اور اس کے کان ایک قریب ایک گہرا سانس لیکر بولا۔

تمہیں سگرٹ کی خوشبو پسند نہیں جانتا ہوں۔پر کیا تم جانتی ہو مجھے تمہاری خوشبو بہت پسند ہے۔زرشاہ کا دل بری طرح دھڑکا۔

وہ واپس جا کر بیٹھ چکا تھا۔

اور پہلے جو زرشاہ کا چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا اب شرم سے سرخ ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

تم میرے ساتھ باہر چل سکتی ہو؟

وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

زرشاہ نے حیرت سے اسے دیکھا اور بولی۔

تمہیں لگتا ہے کہ اب بھی تم مجھے ایسا کچھ کہہ سکتے ہو؟

نہیں کہہ سکتا جانتا ہوں۔

پر مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں۔۔شاید آخری بار۔

وہ مدھم لہجے میں بولا۔

آخر بار۔

زرشاہ کا دل دھڑکا

یہاں ہی کرلو میں سن رہی ہوں۔

یہاں نہیں۔۔اس جگہ جہاں ہم ملا کرتے تھے میں تمہیں وہیں لیکر جانا چاہتا ہوں

اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

پر میں نہیں جاسکتی ہوں وہاں۔

اس نے انکار کر دیا۔

کیا میں نے تم سے کچھ زیادہ مانگ لیا زرشاہ؟

میں تو تم سے بس وہ لمحے مانگ رہا ہوں جن لمحوں میں اپنی زندگی جی لوں میں۔

سچ کہوں تو میں زندگی نہیں ان لمحوں میں بھی بس تمہیں جینا چاہتا ہوں۔

طلا زرشاہ چپ رہی تھی۔

وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا

کچھ دیر خاموش چھائی رہی پھر وہ بولی

آج نہیں میں کل تمہیں ملنے آؤں گی۔

ٹھیک ہے۔

اس نے مختصر سا جواب دیا اور جانے لگا۔

وقت تو پوچھ لو کہ کس وقت آؤں گی۔

اسے اپنی پیٹھ پر اس کی آواز سنائی دی تھی۔

وہ پلٹا۔

میں جانتا ہوں وہ وقت۔سب یاد ہے مجھے شاید تمہیں بھی یاد ہو۔

وہ پتا نہیں کیوں مسکرایا تھا۔

اور اس کی مسکراہٹ ہمیشہ کی طرح اسے اچھی لگی۔

پر ہمیشہ کی طرح وہ کہہ نہیں پائی کہ تمہاری مسکراہٹ مجھے زہر لگتی ہے۔

وہ جاچکا تھا۔۔اور وہ بیٹھی سوچ رہی تھی

جدائی کا وقت قریب آ رہا ہے۔

اس نے اپنے دل میں جھانکا۔۔وہ اس سے نفرت کرنے لگی تھی۔۔جو کچھ ہوا اس کے بعد بھی وہ شخص چاہتا تھا کہ زرشاہ اس سے محبت کرے یا محبت کا اقرار کرے۔

ہونہہ۔۔اس نے ہنکارہ بھرا۔

مجھے تم سے نفرت ہے طلال تم اب چاہے جو کچھ بھی کرو میری محبت کے قابل نہیں ہو سکتے ہو۔

کل تمہیں بتاؤں گی کہ میں تم سے واقعی نفرت کرتی ہوں۔

وہ بڑبڑائی۔

پتا نہیں وہ کیسی نفرت کرتی تھی اس سے۔

شاید وہ محبت آلود نفرت کرتی تھی۔

اس کی بلی اس کی گود میں آ بیٹھی تو وہ اس کی پشت سہلانے لگی

آنے والا کل شاید محبت کی اس کہانی کو حرف غلط کی طرح مٹانے والے تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سنو یہ ریڈ اور بلیک کپڑے نہ پہنا کرو تم۔

طلال اسے محبت سے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ چونکی۔

کیوں نہ پہنوں۔؟

ان کپڑوں میں تم اتنی پیاری لگتی ہو مجھے کہ دل کرتا کو کا کولا کی بوتل کی طرح ایک ہی سانس میں۔

شٹ اپ طلال کیا مسئلہ ہے تمہیں۔

ہمیشہ کی طرح زرشاہ نے اسے کی بات مکمل ہونے نہیں دی۔

مسئلہ نہیں مسائل ہیں کیوٹی

خدا اتنی کھڑوس منگیتر بھی کسی کو نہ دے۔کیا مجال ہے میری محبت میں مجبور ہو کر تم مجھے چوم ہی ہی لو۔

طلام نے آہ بھری۔

تو جاؤ کوئی Loving سی لڑکی ڈھونڈ لو۔اور یہ اول فول باتیں مجھ سے نہ کیا کرو۔

تمہاری نظر نے میں کوئی ایسی لڑکی ہے تو بتاؤ مجھے۔

طلال نے دانت نکالے۔

تم کبھی نہیں سدھرو گے ہاں۔؟

وہ پین ہونٹوں پر رکھتے ہوئے بولی۔

یہ آوارگی اس کی عنایت ہے

ڈرسا لگتا ہے سدھر جانے سے،!

طلال نے جواب میں شعر پڑھا تو اس نے سر جھٹکا۔

ویسے ممکن ہے جب میں سدھر جائوں تم میری ان باتوں کو ترسو۔ تم جانتی ہو کہ میں سنجیدہ انسان اہوں یہ باتیں تو محض اس لئے کرتا ہوں کہ ہمارے تعلق میں بورنگ احساس پیدا نہ ہو۔

وہ سنجیدگی سے بولا تو زرشاہ نے اسے دیکھا پھر ابات بدلتے ہوئے بولی۔

تمہیں مجھ سے کب محبت ہوئی۔۔؟؟

طلال اس کی بات پر متبسم ہوا اور دھیرے سے بولا۔

ایک بار ہوئی ہو تو بتائوں میں۔

کیا مطلب۔۔؟؟

وہ حیرانگی سے بولی

شاید تمہیں یہ بات حقیقت سے بہت دور لگے پر کبھی کبھی جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو مجھے لگتا ہے جیسے میں نے تمہیں دیکھنے اور ملنے سے پہلے ہی تم سے محبت کر لی تھی۔ میں اب بھی جب تمہیں دیکھتا ہوں تو مجھے تم سے اس لمحے ایک نئی محبت ہوتی ہے۔میرا دل تمہیں دیکھ کر ہمیشہ محبت کی پہلی نظر جیسا دھڑکتا ہے۔ میں جب جب تمہیں دیکھتا ہوں ایسا لگتا ہے جیسے میں کسی نئی زرشاہ کو مل رہا ہوں مجھے تمہاری ہر ادا سے محبت ہے۔ تمہارے غصے سے مجھے پیار ہے جب تم غصے سے لال ہوتی ہو۔ جب تم مجھے ٹوکتی ہو۔ جب تم مجھے ڈانتی ہو۔ مجھے تم سے پہلے سے زیادہ محبت ہو جاتی ہے۔ میں مجبور ہوں کہ تم سے بے تحاشہ محبت کروں۔ میں شاید اس لئے دنیا میں اتارا گیا ہوں کہ مجھے تم سے محبت کرنی ہے۔ ہر گزرتا ہوا لمحہ تمہاری محبت کو مجھ پر فرض کرتا ہے۔ تمہارے ساتھ گزرا ہوا ہر لمحہ میرے آسمان پر ایک نیا خوبصوت لمحہ ستارے جیسے چمک اٹھتا ہے۔

طلال ایک لمحے کو چُپ ہوا اور پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

تمہیں ایک بات کہنا چاہوں گا کہ گزرے کل سے آج۔ اور آنے والے کل سے بہت آگے مجھے ہمیشہ ہی تمہاری ضرورت

پہلے سے زیادہ ہو گی۔

زرشاہ خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔

وہ جانتی تھی اس کی ساری باتیں سچ ہیں پر وہ یہ بات نہیں جانتا تھا اس کی ساری الٹی سیدھی باتیں بھی پسند ہیں۔وہ محبت کا اقرار نہیں کرتی تھی پر وہ اس سے محبت کرتی تھی۔

ایک ایسی خاموش سی محبت جیسے کوئی کسی کی خاموش پرستش کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ تھکے ہوئے قدموں سے چلتا ہوا جب پارک میں داخل ہوا تو وہ اسے اپنے مخصوص بینچ پر بیٹھی ہوئی دکھائی دی۔کچھ سوچتی ہوئی دونوں ہاتھ گود میں رکھے وہ برہنا ہوتے درخت کی شاخوں سے گرتے پتوں میں نجانے کسے کھوج رہی تھی۔کائنات زردی مائل لباس پہن چکی تھی اور چار سو خزاں ڈھیرے ڈال رہی تھی۔وہ خاموشی سے اس کی طرف چلنے لگا اس کے قدموں تلے خزاں رسیدہ پتے شور کرنے لگے۔

قریب پہنچنے پر شہریار نے اس کی بلی کو بھی دیکھ لیا جو اس کے پاؤں میں بیٹھی تھی۔۔مشی۔۔۔اس کی دوست اور ہم راز۔۔

طلال کو بلیلاں اچھی نہیں لگتی تھیں اور یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی۔۔اسے یاد آیا کے ایک دفعہ اس نے اس بلی کو کہیں پھینکنے کا کہا تو وہ تین دن تک اس سے ناراض رہی تھی اور جب اس نے کہا کے بلی یا طلال میں سے کسی ایک کو چنو تو کتنا تڑپی تھی وہ۔۔اس وقت اسے پتا چلا تھا وہ لڑکی اندر سے بلی کی طرح ہے کمزور سی ہے۔اور اس کی آنکھوں میں جھلملاتے وہ خاموش سے آنسو کئی دن تک شور مچاتے رہے تھے۔۔حالانکہ کے وہ مان چکا تھا کے وہ بلی کو پاس رکھ سکتی ہے۔۔

یہ میری دوست ہے میں اس باتیں کرتی ہوں یہ میری تنہائی کی رفیق ہے۔یہ اس نے نم آلود لہجے میں کہا تھا۔۔وہ ہنس پڑھا تو وہ مزید روہانسی ہونے لگی تھی۔

پر یہ تمہاری باتیں کہاں سمجھتی ہے زری۔

سمجھتی ہے۔۔ہم لڑکیاں بے جان چیزوں سے بھی باتیں کرتی ہیں وہ بے جان چیزیں ہماری باتوں کو سنتی اور سمجھتی ہیں۔ہماری معصومیت بھری سرگوشیاں ان کو زندہ کر دیتی ہیں۔جب ہم کھیلتے ہوئے اپنی گڑیا سے باتیں کرتی ہیں تو اس پلاسٹک کی گڑیا میں زندگی کو سانس لیتا ہوا محسوس کرتی ہیں۔

ہمیں بس گوشت پوست کے بنے یہ سانس لیتے انسان کبھی نہیں سمجھ سکتے کیوں کے وہ ہمارے دل کی آواز سننے کے لئے اپنی سماعت کا استعمال کرتے۔اور اسی کو کافی سمجھتے ہیں۔

ہمیں کانوں سے دل سے سننا ہوتا ہے۔

یادوں کے بیچ چلتے ہوئے وہ اس کے پاس آن بیٹھا۔ اس نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا بس پاؤں میں بیٹھی بلی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔۔ ان دونوں میں بہت کچھ بدل سا گیا تھا۔

وہ خاموشی سے اپنے ارد گرد گرتے پتوں کو گرتا دیکھ رہے تھے۔۔ اور ان سے پیدہ شدہ آواز میں جدائی کا پر سوز گیت سن رہے تھے۔

کیسے گزرے گی خزاں میرے بن

پتے نے شاخ سے روتے ہوئے پوچھا

درخت نے عریاں بدن پر نگاہ ڈالی اور بولا

یوں گزر جائے گی خزاں تیرے بن

جیسے زخم میں درد کی لہر گزر جائے

وہ بڑبڑائی تھی۔

س نے کوئی جواب نہیں دیا۔۔۔ وہ بھی خاموش ہو گئی تھی۔۔ شاید پھر درخت اور پتے کی باتیں سننے لگی تھی۔

اس نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا۔ تب اس نے ایک نظر اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص پر ڈالی۔۔۔ اسے سگریٹ سے شدید نفرت تھی اگر کوئی اور موقع ہوتا تو شاید وہ ہمیشہ کی طرح اس کے ہونٹوں سے سگریٹ چھین کر اپنی نازک ایڑیوں تلے مسل دیتی اور اس کے جیبوں کو ٹٹول کر باقی سگریٹوں کا بھی یہی حشر کرتی۔۔ اور پھر کہتی وعدہ کرو آیندہ سگریٹ کو چھوؤ گے بھی نہیں اور وہ ہمیشہ کی طرح وعدہ کر لیتا جھوٹ موٹ کا اور وہ۔۔۔۔۔ ہمیشہ کی طرح اس وعدے پر یقین کر لیتی۔۔

پر ان میں سب کچھ بدل گیا تھا۔۔۔ طلال کے اندر کڑواہٹ گھل سی گئی تھی۔ شاید سگریٹ میں تمبا کو اچھی کوالٹی کا نہیں تھا۔ اس نے خود کو تسلی دینا چاہی۔

میں تم سے کبھی بہت محبت کرتی تھی طلال میری ہنسی میں تم ہنستے تھے۔۔ میرے دل کی نرم زمین پر تمہاری محبت کا بیج یوں نشو نما پایا تھا جیسے سورج کی روشنی میں پھول نشو نما پاتے ہیں تمہاری محبت بھی پھولوں جیسی تھی نرم و کومل۔۔ لیکن اس کومل احساس نے میرا جذبہ احساس کچل ڈالا میرے دل کی زمین کو بنجر کر دیا اب وہاں کوئی جذبہ نہیں اگتا ہے چاہے میں کتنی بھی کوشش کر لوں۔۔۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں طلال I thate you۔۔۔

تم ایک برے انسان ہو گے یہ سوچا بھی نہیں تھا اور تمہاری وہ مسکراہٹ جو میری زندگی تھی اب مجھے زہر لگتی ہے۔

مسکراہٹ۔۔۔پر وہ تو مسکرانا چھوڑ چکا تھا۔۔اس نے دل میں سوچا۔

اور آج جب میں تم سے جدا ہونے جا رہی ہوں میرے دامن میں تمہاری دی ہوئی اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔تم سے نفرت ہی میری محبت کا حاصل ہے۔وہ دور افق پر نظریں جمائے کہہ رہی تھی۔

اور وہ بالکل ساکت تھا جلتا ہوا سگریٹ بجھ چکا تھا اور راکھ گر رہی تھی۔۔اس کے اندر بھی۔

تم۔۔۔تم۔۔۔مجھ۔۔۔۔سے نفرت۔۔۔کرتی ہو۔۔۔اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی تھی۔

مغرب میں زرد کرنے بکھیرنے والا سورج ٹھٹک سا گیا تھا۔۔اور درختوں کی ٹنڈ منڈ شاخیں کچھ اور نیچے کو جھک آئیں تھیں گرتے پتے بھی خاموش ہو گئے تھے۔اور خزاں کے اس ڈھلتے دن کی سانسیں بوجھل سی ہونے لگیں چار سو جدائی کی مہک پھیلنے لگی تو وہ پھر بولی۔

ہاں میں تم سے نفرت کرتی ہوں اور کرتی رہوں گی جب تک زندہ ہوں۔۔۔آج کے بعد میں تمہارے لئے مر گئی ہوں۔

طلال کے اندر بھی کچھ مرنے لگا تھا۔۔اور جب وہ اس تنہا چھوڑ کر جا رہی تھی تو اس کی بلی کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے کیوں کے اس نے دیکھ لیا تھا نفرت کا اظہار کرنے والی اس کی دوست کی آنکھیں نفرت سے انکار کر رہی تھیں۔۔اور پارک سے نکلتے ہوئے جب اس کی آنکھوں میں ویرانی اور نمی ایک ساتھ نمودار ہوئی تو وہ مچلنے لگی۔۔میاؤں میاؤں۔

میں ٹھیک ہوں مشی بلکل ٹھیک۔۔۔اور میں اس سے نفرت کرتی ہوں شدید نفرت۔۔اس نے بلی کی پیٹھ تسلی امیز انداز تھپکتے ہوئے بے یقین لہجے میں کہا تھا۔

اور تیز قدموں سے چلتی ہوئی اس کی نگاہوں اور دل سے بہت دور کہیں گم ہو گئی۔

وہ بس اس کی نفرت ہی دیکھ پایا تھا۔اور کچھ نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سنو مجھے تمہاری محبت نے پاگل کر دیا ہے۔

طلال کی بات سن کر زرشاہ نے اسے دیکھا۔مجھے یقن نہیں ہے کہ تم پاگل ہو چکے ہو۔یقین دلائو۔

یقین دلانے کے لئے ہی تو شادی کر رہا ہوں تم سے میں۔

طلال نے شرارت سے اسے دیکھا۔

شادی سے کیسے یقین آئے گا۔۔؟؟زرشاہ نے آنکھیں گھمائیں۔

دیکھو کوئی ٹھیک انسان تو اتنی کھڑوس لڑکی سے شادی کرنے سے رہا میں کر رہا ہوں مطلب پاگل ہی ہوا نا میں۔

اب تم مزید کچھ بولے تو تمہاری خیر نہیں ہو گی طلال۔

زرشاہ نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا پر وہ بھی طلال تھا چپ رہنا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

میری خیر تو ویسے بھی نہیں ہے۔ تم جیسی منگیتر کا ہونا کیا کم ہے۔

خدا جانے آنٹی نے بچپن میں تمہیں کون سا ایسا اینٹی رومانس انجیکشن لگوایا تھا کہ تمہارے اندر محبت اور رومانس کے سارے جراثیم وفات پا گئے۔

ہونہہ رومانس اور محبت۔ آج کل کے اس دور محبت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ سچی محبتیں اب کہاں ہوتی ہیں۔

زرشاہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو طلال ایک لمحے کو چپ رہ گیا پھر سنجیدگی سے بولا۔

خدا کو کسی نے نہیں دیکھا اور نہ ہی کبھی کسی نے اسے سنا ہے پر اس پر ہمارا یقین کامل ہے کہ وہ ہے۔ ایسے اس دور میں جب محبت مر رہی ہے اور ہوس محبت کا لباس پہن چکی ہے میرا یقین ہے کہ یہ ساری باتیں اس بات پر دلالت نہیں کرتی ہیں کہ سچی محبت نہیں ہے۔

جس طرح خدا کو کسی نے دیکھے بغیر اور سنے بغیر مانا ہے ایسے ہی میرا ماننا ہے کہ سچی محبت بھی ہے۔ جس طرح خدا کو ڈھونڈنا پڑتا ہے وہ ہر کسی پر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کی تلاش میں مشقتیں سہنی پڑتی ہیں اور "طور" پر جانا پڑتا ہے ویسے ہی سچی محبت کو پانے کے لئے اسے اپنے روبرو دیکھنے کے لئے محبت کے طور پر جانا ہوتا۔ اور محبت کا طور ایک شفاف دل ہے جس میں کسی قسم کا کھوٹ نہ ہو۔

میں "طلال ابراہیم" بھی محبت کے ان مسافروں جیسا ہوں جو محب کی رضا چاہتے ہیں۔

جس دم تم میری یہ بات سمجھو گی خود میرے پاس چل کر آؤ گی اور کہو گی۔

میں ایمان لائی تمہاری محبت پر۔!!

زرشاہ خاموشی سے اسے سن رہی تھی جب وہ یوں اچانک سنجیدہ ہوتا تھا کہیں سے بھی نہیں لگتا تھا کہ یہ وہی طلال جو ہر وقت الٹی سیدھی باتیں کر کے اسے زچ کرتا ہے۔

تم اس موڈ میں ہمیشہ رہو تو کتنا اچھا ہو۔

زرشاہ نے کہا تو وہ ہنسا۔

بس کبھی کبھی میرے اندر کا درویش جاگ جاتا ہے۔ پر پھر لمبی تان کر سو جاتا ہے میری۔ "گڑ کی ڈلی"

خبردار جو دوبارہ مجھے گُڑ کی ڈلی کہا تو منہ نوچ لوں گی تمہارا۔ طلال کے اندازے کے مطابق ہی وہ ایک دم بڑھکی تھی۔

ارے دیکھو نا میری زندگی کی ساری چاشنی تم سے ہے اس حساب سے تم ہوئی نا "گڑ کی ڈلی"

طلال نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ کتابیں سمیٹنے لگی۔

ارے ارے کیا ہوا ہے بھئی۔۔۔؟؟

کچھ نہیں تمہاری فضول باتیں سننے سے بہتر ہے کہ میں کوئی لیکچر سن لوں۔ وہ اٹھی اور یونیورسٹی کی عمارت کے اندر چلی گئی۔

طلال مسکرایا۔۔ تمہیں تنگ کرنے میں اپنا ہی مزہ ہے زری۔ وہ زیرلب بولا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ چلی گئی اور طلال اس پارک میں تنہا رہ گیا۔ شاید اب اس کے پاس کہنے سننے کو کچھ نہیں بچا تھا۔ وہ اندر تک ٹوٹ کر بکھر چکا تھا۔ اس نے سر جھٹکا اور موبائل نکال کر زرشاہ کے لئے میسج ٹائپ کرنے لگا۔

"سنو

تُو کہاں چل دی پری پیکر

تیری دوری نے قلب حزین کو پریشان کر دیا اور خوشیوں کو یوں منتشر کر دیا جیسے آندھی خزاں رسیدہ پتوں کو بکھری کر رکھ دیتی ہے۔ میں تیری یاد کی بے چینیوں میں ہمیشہ مبتلا رہوں گا اور جب تک میری سانسوں کی ڈور سلامت ہے میں تیری تلاش میں در در بدر پھرتا رہوں گا۔"

"تم مجھے نفرت کا احساس دلا کر اٹھ کر چلی گئی ہو۔ پر میرے دل میں تمہاری محبت کی شمع جوں کی توں روشن ہے۔۔ اسے نفرت کی آندھی نہیں بجھا سکتی ہے۔۔ چلو نفرت ہی سہی تم نے کوئی تعلق تو مجھ سے رکھا۔"

"جانے سے پہلے یہ تو بتاتی جاتی کہ میں تمہیں کہاں ملوں۔ آخر وہ کون سی جنت نظیر جگہ ہو گی جہاں میں تیرا ہونا محسوس کروں" گا۔

"مجھے بتا کہ میں اب تجھے کہاں کھوجوں؟"

"بلبل کی چہک میں یا پھولوں کی شگفتہ تبسم میں۔ بہتی ندیوں کے ترانوں میں یا گرتے جھرنوں کے جاں سوز نغموں میں۔ ستاروں کی شوخ چمک میں یا چاند کی کومل کرنوں کے تکلم میں۔ قوس کے دلفریب رنگوں میں یا شاعروں کی دل گداز شاعری میں۔"

"تو بتاتی جا کہ میں تیری جستجو میں کتنا چلوں۔۔ کیا اتنا کہ جسم مشقت کی تاب نہ لا کر دم توڑ دے یا اتنا کہ جب میں رونا

چاہوں تو میری آنکھیں اشکوں سے خالی ملیں۔"

"ہائے۔

تم سے وہ سب سننے بعد ایسا لگتا ہے جیسے میرا دل مجبوری میں دھڑک رہا ہے۔

میں نے رات کی تاریکیوں میں تجھے مانگا اور دن کی روشنیوں میں تیری تلاش میں پھرا۔

میری راتیں تیری یاد کی وادیوں میں بسر ہوئیں اور میرے سجدے تیرے وجود کو مانگنے میں لگے رہے۔

پر یہ کیا۔۔۔؟؟

یہ تو ایک سعی ناکام تھی۔

تو آج مجھ سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گیا اور آج تو مجھ سے اتنا دور چلی گئی جتنا پہلے کبھی نہ تھی۔

اے میری راحت دل

کبھی تو مجھے اتنی قریب محسوس ہوتی تھی کہ تیرا لمس میں اپنی روح ہر محسوس کرتا تھا۔

اور آج اتنی دور کہ میری سوچ کی لہریں تیری ذات کے ساحلوں سے ٹکرائے بغیر لوٹ رہی ہیں۔

یاس والم۔نے مجھے گھیر لیا ہے اور میں بلکل نڈھال ہونے لگا۔ایسے جیسے طویل عرصے کا بیمار چارپائی پر پڑا موت کو آوازیں دے رہا ہو۔

اب بس کردو زری

دل۔خواہشوں سے خالی ہونے لگا ہے۔میرا حال اس جوان بیوہ جیسا ہے جسے شب عروسی میں خبر ملے اس کا محبوب شوہر مر گیا۔۔کوئی ہے جو اس کا دل بیان کر سکے۔۔؟نہیں نا"

"اے میری محبت زرشاہ

میں نے مدتوں تجھ سے محبت کی اور کیا زبردست کی۔میں تیرے خوابوں کی وادیوں میں پھرا اور تیرے حسین نغموں کو سنا۔پر اب لگتا ہے سب کچھ لاحاصل رہا۔

اس شخص کا درد کون بیان کرے جسے لمبی مسافتوں کے بعد منزل نہ ملے۔بس ایک تھکن جو ابدی کہرب کی صورت میں اسے پہنادی جائے۔۔

ہائے۔یہ دل خراش واقع کہ اب تیرے بعد میں روز خود کو مرتے دیکھوں گا قسطوں میں۔

اے میری خوشی تو لوٹ آ۔۔بس لوٹ آ۔۔"

طلال کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی اتر آئی تھی۔اس نے send پر کلک کیا اور پھر بینچ سے ٹیک لگا کر اوپر آسمان کو دیکھنے لگا جہاں پرندے کھلی فضاؤں میں اڑے جارہے تھے۔

اور کچھ بادل ہوا کے دوش ہر مشرق کی سمت تیرے جارہے تھے۔

اس نے طویل سانس لی۔

محبت کے بادل بھی تیزی سے گزر چکے تھے اور اب ہجر کی دھوپ اس کی روح تک کو جھلسائے جارہی تھی۔

جدائی موت ہوتی ہے

کبھی فرصت ملے تو دیکھنا پتوں کا گرنا تم

کہ جب یہ شجر سے گرتے ہیں

کیسے روندے جاتے ہیں

کبھی رخصت کے لمحوں میں

کسی کی آنکھ سے گرتے ہوئے آنسو کو دیکھو گے

تو شاید تو شاید جان جائو گے

جدائی موت ہوتی ہے

ابھی تم تتلیوں کے رنگ مٹھی میں چھپاتے ہو

ابھی تم مسکراتے ہو۔۔۔۔۔سنو

کبھی جو زندگی نے اجنبی راہوں پے

تمہاری جو ہنسی چھینی

تو پھر آنسو بہائو گے

اور اتنا جان پائو گے

جدائی موت ہوتی ہے

☆☆☆☆☆

"ایک کپ چائے تو بنادو جانم۔"

زرشاہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔"دیکھو میرا نام ہے زرشاہ مصطفی اور مجھے یہی نام پسند ہے اس لئے بہتر ہو گا کہ تم مجھے اسی

نام سے پکارو۔"

"مجھے علم ہے تمہارا نام۔ پر جو نام تم پر سوٹ ایبل لگتا میں اسی نام سے تمہیں پکارتا ہوں۔ جانم ہی کہا ہے کوئی گلاب جامن' تو نہیں کہا جو اتنا منہ بنا رہی۔"

زرشاہ نے اسے دیکھا۔

صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے وہ آرام سے آگے ٹانگیں پھیلائے ہوئے بیٹھا تھا۔

"سیدھے ہو کر بیٹھو یہ کون سا طریقہ ہے بیٹھنے کا۔"

"بھئی یہ میرا اپنا ہی گھر ہے سو کیا تکلف کروں میں۔ جیسے میں کمفرٹیبل محسوس کروں گا ویسے ہی بیٹھوں گا۔ اور تم تو بس مجھ میں غلطیاں ہی نکالتی رہنا۔"

"تمہارے لئے اگر میں مر بھی جائوں تو منہ بنا کر کہو گی۔"

"ایسے کوئی مرتا ہے بھلا۔ ٹھیک سے مرو نا"

"کیا ہوا کیا مرنے مرانے کی باتیں ہو رہی ہیں یہاں۔" فائزہ وہاں چلی آئی تھی۔

"یہ تو اپنی بہن سے پوچھو جس پر میں۔" طلال نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑا تو زرشاہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"اللہ آپ کو لمبی عمر دے طلال بھائی ایسی باتیں نہ کیا کریں آپ۔" فائزہ نے کہا تو طلال ہنسا۔

"فکر مت کرو میں اتنی جلدی مرنے والا نہیں ہوں۔ ابھی تو میرے ہاتھ بھی پیلے نہیں ہوئے ہیں۔" فائزہ نے قہقہ لگایا۔

"بھائی آپ کی باتیں اففف انسان ہنس ہنس کر لوٹ پھوٹ ہو جاتا ہے۔"

"ہاں پر ایک آپ کی بہنا ہیں جو ہنسی والی بات پر بھی غصے والا ری ایکشن دیتی ہیں۔"

"کہتے ہیں کہ فضول قسم کے لطیفے پر ہنسنا احمقوں کی نشانی ہے۔" زرشاہ طنز کیا۔

"ہاں پھر تو تمہیں ہنسنا چاہئے نا۔" طلال فوراََ بولا اور فائزہ ہنستی ہوئی اٹھی۔

"میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں بھائی۔"

"تم چائے پینا کب چھوڑو گے۔؟؟" فائزہ کے جاتے ہی زرشاہ نے سوال کیا۔

"جب میری تم سے شادی ہو گی تب۔" طلال نے خوشی سے کہا۔

"ہاں میں کون سا تمہیں چائے بنا کر دوں گی۔ جب خود بنانی پڑے گی تو چھوڑو گے ہی۔"

"تم سمجھی نہیں۔ تمہارے ہوتے ہوئے میں چائے پیوں اتنا بدذوق نہیں ہوں میں۔"

"شٹ اپ طلال۔!" زرشاہ نے بھڑک کر کہا تو طلال وہ ہنسا۔

"موسٹ ویلکم کیوٹی۔"

زرشاہ نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب اسے کھینچ کر ماری۔

"اہاں۔ایسے لڑتی رہا کرو سنا ہے لڑنے سے محبت زیادہ ہوتی ہے۔ویسے ایک بات ہے تم ایک کھڑوس قسم کی بیوی ہو گی۔"

"چُپ کر جائو تم۔زیادہ باتیں مت بنایا کرو تم۔زچ کر دیتے ہو مجھے۔"

"باتیں کون کافر بناتا ہے میں تو تمہیں اپنا بنانا چاہتا ہوں۔ہمیشہ کے لئے تمہیں اپنی زندگی کی آسمان کا چاند بنانا چاہتا ہوں۔جس کی کومل کرنوں کی روشنی میرے وجود کو منور کر دے اور میں ساری زندگی اس روشنی میں اپنا سفر کرنا چاہوں گا۔تم جانتی ہو تم چاند کی ان کرنوں جیسی کومل اور نرم وملائم ہو جو گلشن میں لگے پھولوں کو نرم سے بوسہ دے رہی ہوتی ہے۔"

فائزہ چائے لیکر وہاں آگئی تھی۔

وہ اب چائے پیتا ہوا اس کی باتیں سن رہا تھا پر اس کی نگاہیں زرشاہ کا طواف کر رہیں تھی۔

☆☆☆☆☆

وہ طلال کو مل کر واپس آئی تو اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔اس لئے سر درد کی دو ٹیبلٹ لیکر وہ سو گئی تھی۔

ابھی جب وہ سو کر اٹھی تو اس کی طبعیت کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔اس لئے بالوں کو کیچر میں قید کرتے ہوئے وہ ٹیرس پر آگئی۔

جھولے پر اس کی بہن بیٹھی کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی۔

"میرے لئے چائے بنا دو یار۔" اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے فرمائش کی۔

"خود بنا لو میرے فائنل پیپرز ہیں اور تمہیں میں چائے بنا کر دوں۔" فائزہ نے منہ بنا کر کہا اور دوبارہ کتاب پڑھنے لگی۔

وہ خاموشی سے اس کے پاس بیٹھی رہی تھی۔

فائزہ کتاب پڑھتے ہوئے اسے بھی دیکھے جا رہی تھی۔

"یونیورسٹی کب جا رہی ہو دوبارہ۔۔؟" وہ اپنی بہن کی بات سن کر مسکرائی۔

"ابھی سوچا نہیں"

"کیوں۔۔؟"

"تمہارا آخری سال ہے اسے مکمل کرو پھر نہ جانا۔"

"پڑھ کر کیا کروں گی۔ کون سا جاب کرنی ہے جتنا پڑھ لیا اتنا کافی ہے۔۔اب دل نہیں کرتا ہے۔اور ویسے بھی اتنا سب کچھ ہونے کے بعد یونیورسٹی پھر چلی جاؤں۔۔نووے۔"وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"ہوں۔۔۔اچھا میں چائے بنا کر لاتی۔"وہ اپنی بہن کے چہرے پر اترتی ماضی کے دکھ دیکھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بولی تھی۔

اچانک اسے اپنے موبائل کا خیال آیا۔

اس لئے واپس کمرے میں آئی اور بیگ سے موبائل نکالا۔

سکرین پر طلال کا نام اور میسج چمک رہا تھا۔اس نے دانت بھینچ لئے۔

اور میسج اوپن کیا۔

سکرین پر طلال کے الفاظ پھیل چکے تھے اور وہ پڑھتے ہوئے وہیں بیڈ پر بیٹھ سی گئی تھی۔

☆☆☆☆

ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی جب وہ زرشاہ کے گھر میں داخل ہوا۔اسے وہ ٹیرس پر کھری دکھائی دی تھی۔بارشوں میں اکثر وہ وہاں ہی پائی جاتی تھی۔

وہ چپکے سے اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا اور اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔

"میں کون ہوں۔۔؟؟"لہجے کو تھوڑا بدل کر اس نے پوچھا۔

"برہان تم۔"طلال کو کرنٹ سا لگا تھا۔اس نے زرشاہ کو بازو سے پکڑ کر گھمایا۔

"برہان کون ہے۔۔؟؟"

زرشاہ نے طلال کے چہرے کا رنگ دیکھا جو غصے سے بدل رہا تھا۔

"ہے کوئی بس۔"وہ ہاتھ چھڑا کر اس سے کچھ دور جا کھڑی ہوئی تھی۔

طلال نے اس کو دیکھا جو بے پروائی سے بارش کو دیکھے جا رہی تھی۔

"ایک بات بتاؤ طلال مجھے کسی اور کے ساتھ دیکھ کر کیا تم کسی اور کے ساتھ چل سکو۔؟؟"وہ اس کی طرف مڑتے ہوئے بولی۔

طلال نے اس کے قریب آیا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"میں تم کو کسی اور ساتھ خوش دیکھ کر شاید زندہ رہ لوں گا کہ تم خوش ہو پر مجھے میں خود کو کسی اور ساتھ دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہے۔"

"اتنی محبت کرتے ہو مجھ سے۔؟؟"

"ہاں۔!!"

"اس سے کہیں زیادہ جو تمہیں میری آنکھوں میں دکھتی ہے۔"طلال نے زور دے کر کہا تو مسکرائی۔

"میں اتنی بھی خاص نہیں ہوں کزن۔عام سی لڑکی ہوں۔"

"ایسا ہرگز نہیں ہے زری۔"اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اگر کبھی تمہیں یہ احساس ہو کہ تم خاص نہیں ہو تو سوچنا۔ایک شخص"طلال ابراہیم"تمہیں چاہتا تھا۔یقین جانو جب تم یہ سوچو گی خود کو بے انتہا قیمتی سمجھو گی۔"

"یہ سب کتابی باتیں لگتی ہیں مجھے۔ویسے بھی بے انتہا محبت کرنے والے بچھڑ جاتے ہیں۔مجھے یقین ہے اگر میں تم سے بچھڑ گئی تو تم مجھے آسانی سے بھول جاؤ گے۔"

"کوئی سانس لینا بھی بھول سکتا ہے کیا۔؟"

"پر میں تمہیں آسانی سے بھول جاؤں گی کزن۔"زرشاہ نے بے رحمی سے کہا تو وہ مسکرایا۔

"تم سے بچھڑنے کا خوف مجھے ہر دم رہتا ہے اگر ایسا ہوا کہ تم مجھ سے بچھڑ گئی تو مجھے ڈر ہے زری کہ جب تم مجھے یہ کہنے لئے لوٹ کر آؤ گی کی تم نے مجھے بے تحاشہ "Miss" کیا تو یہ سننے کے لئے طلال ابراہیم زندہ نہیں ہو گا۔"

کچھ دیر ان دنوں کے درمیان خاموشی کا بھاری سا وقفہ رہا پھر طلال نرمی سے بولا۔

"میں تم پر محبت کا رنگ دیکھنا چاہتا ہوں۔کبھی محبت پہن کر دکھاؤ مجھے۔"

"مجھ پر کالا رنگ ہی جچتا ہے اور میں محبت کے رنگ سے ڈرتی ہوں۔یہ انسان سے اتر جائے تو پھر ہر منظر بے رنگ نظر آتا ہے۔"

"میری محبت کا رنگ تم پر سے کبھی زور نہیں اترے گا کیوں کہ اس میں میرے خلوص کی سچائی شامل ہے۔"طلال نے دل میں کہا تھا۔

بارش زور پکڑ چکی تھی اور وہ دونوں خاموش تھے۔

بارش کی بوندیں بکھور ہی تھیں مجھے
سرد پڑتا جسم اور آنکھوں میں پانی کے قطرے

منظر کو دھندلا سا کر رہے تھے

میں کیچڑ سے لت پت سڑک پر چل رہا تھا

پورا منظر بھیگا ہوا تھا۔۔شاید آنکھیں بھی

میں فضا میں کسی کی خوشبو کو محسوس کر رہا تھا

کیچڑ میں پڑتے قدم میری ناتوانی کا گلہ کر رہے تھے

جذبات بھیگ چکے تھے،احساس بھیگے ہوئے تھے

کسی کی یادیں بارش کی طرح برس رہی تھیں

میں مسحور سا چل رہا تھا۔۔سفر طویل تھا

درختوں کی گھنی شاخیں اور پودے

پانی کے بوجھ سے جھکے جا رہے تھے

مجھے ان پر اپنی پلکوں کا گماں ہوا

جو ٹوٹے ہوئے خوابوں کے بوجھ تلے نڈھال تھیں

منظر بھیگے ہوئے تھے۔خواہشیں بھیگ چکی تھیں

پتوں پر ٹھہرے پانی نے سرگوشی کی تھی

کہ اب پلٹ جانے کا وقت آیا ہے

بارش ہو رہی تھی

اور یادوں کے دائرے آہستہ آہستہ سمٹ رہے تھے

میں لوٹ آیا تھا۔۔۔مجھے تو لوٹ آنا تھا۔۔!!

☆☆☆☆

سپیدہ سحر نمودار ہوئی اور کائنات نوخیز دلہن کی طرح مسکرا اٹھی۔پرندے اپنے ترانوں سے سوئی ہوئی کلیوں کو بیدار کرنے لگے اور نسیم صبح کے جھونکے شریر بچے کی طرح اٹھکلیاں کرنے لگے۔آسمان پر کچھ بادل کے ٹکرے اب بھی بھٹکی ہوئی سفید بھیڑوں کی طرح پھرے جا رہے تھے۔

اور ان سب کے بیچ طلال اپنے گھر کے لان میں افسردہ بیٹھا تھا۔ رات اسے نیند نہیں آئی تھی اور ابھی اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

محبت ایک گہری دھند ہے جو روح کو ڈھانپ دیتی ہے بلکل ویسے ہی جیسے سرما کی صبح کہر منظروں کو ڈھانپ لیتی ہے۔ محبت انسان کی زندگی کی تلخیوں کو نظروں سے چھپا کر نئی لذتوں سے ملواتی ہے۔

انسان اپنی آرزوں کے چھاؤں تلے راحت محسوس کرنے لگتا ہے۔

پر یہ بہت قلیل وقت کے لئے ہوتا۔

طلال نے موبائل دیکھا۔ جس کی سکرین خاموش تھی۔ اس نے انباکس کو چیک کیا۔۔ اس کا میسج نہیں تھا۔

وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر۔

پھر ایک اور میسج اسے لکھنے لگا۔

"اے راحت جاں۔

دانا لوگ کہتے ہیں آدمی کے دل میں محبت کا شعلہ پیدا ہو تو وہ اسے جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔

لیکن میں جب تم سے ملا تو میرے دل نے مجھ پر یہ راز فاش کر دیا کہ میں صدیوں سے تمہیں جانتا ہوں۔ اور مجھے تمہاری ہی تلاش میں خلد سے زمین پر اتارا گیا ہے۔

میں محبت کی وہ پہلی نظر کبھی نہیں بھولوں گا جب میں نے تمہیں دیکھا جس۔ نے میری دھڑکنوں کو تمہاری دھڑکنوں سے ھم آہنگ کر دیا اور کائنات کے سب سے حسین جذبے محبت سے مجھے ملایا۔ وہ محبت جو دلوں کا سکون ہے۔ وہ محبت جو زمین پر آسمانی جذبہ ہے۔ جو آسمانی حکمت ہے۔

تم جانتی ہو کہ میرے لئے یہ کس قدر تکلیف دہ لمحات ہیں۔

مانا کہ مجھ سے غلطی ہوئی پر اس کی سزا ایسے نہ ہو۔"

چھوٹی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اس نے جلدی سے میسج سنڈ کیا۔

"بھیا کیا سوچ رہے ہیں آپ۔۔۔؟" وہ اس کے سامنے بیٹھ چکی تھی۔

"کچھ نہیں گڑیا ایسے ہی دھوپ اچھی لگ رہی تھی تو یہاں بیٹھ گیا۔"

"بھیا اب آپ ہماری بات مان لیں۔"

"یہ کیا حال کر دیا آپ نے اپنا۔ آنکھیں دیکھیں اپنی کتنی لال ہو رہی ہیں۔۔ میں ایسے آپ کو نہیں دیکھ سکتی ہوں۔" وہ اپنی

بھائی کی حالت پر دکھی تھی۔

"ارے میری ننھی گڑیا۔ آئی ایم فائن۔ بس آفس کے کام کی وجہ سے دباؤ تھا۔۔رات نیند نہیں آئی ٹھیک سے۔ فکر نہ کرو۔ جس کی اتنی اچھی بہن ہو اسے کیا ہو سکتا ہے۔" طلال نے اس کی ناک کھینچی تو وہ چلائی۔

"بھیا نہ کریں۔" وہ ہنس پڑا تو ساتھ وہ بھی ہنسی۔

"تانیہ ادھر آؤ۔" اندر سے ماں کی آواز سنائی دی تو وہ جانے کے لئے کھڑی ہوئی۔

"یہاں ہی رہنا آپ۔۔میں ایک منٹ میں آئی۔۔" طلال نے سر ہلایا۔

جب وہ چلی گئی تو اس نے اپنی حالت پر غور کیا۔ اور پھر دل میں بولا۔

"بھول جاؤ طلال۔ محبت کیا ہے سب بھول جاؤ کچھ دیر کے لئے صفحہ دل کو فراموش کر دو۔ اسے بھول جاؤ۔ غم و الم بھول جاؤ۔ اس سے بچھڑنے کا درد و خوف بھول جاؤ۔ ان گزرے لمحات کو بھول جاؤ جن میں محبت تمہارے ساتھ تھی پاس تھی۔ کم از کم کچھ دیر کے لئے سب بھول جاؤ۔"

"خود کو ازیت نہ دو۔ اپنے ارد گرد رشتوں کو دیکھو ان کی خوشی کے لئے خوش رہو۔۔" کاش میں سب بھول سکتا۔

اس نے آہ بھری اور موبائل کو دیکھا جو خاموش تھا۔

☆☆☆☆

بابا سبحان اللہ شہر کے قریب رہتے تھے۔۔زندگی سے تھکے ہارے لوگ ان کے پاس جاتے اور ان کی باتوں سے اپنے زخموں کو بھرنے کی کوشش کرتے۔

وہ بھی آج کافی عرصے بعد ان کے پاس آیا تھا۔

"کیا بات ہے بیٹے چہرے پر اضطراب کیسا ہے اور آنکھوں میں یہ بے چینی کیسی ہے؟" وہ شفقت سے گویا تھا۔

"بس بابا جی جو آگ اندر لگی وہ بدن تک آن پہنچی ہے۔ میرے لئے دعا کیا کریں۔"

"دیکھو بیٹے۔"

"عشق جو کرتے ہیں وہ اپنی آگ میں اکیلے جلتے ہیں۔ ہم نے اوپر والے سے عشق کیا ہے ہم بھی اس کی دید اور شوق میں جل رہے ہیں۔"

"پر آپ کا عشق تو الگ ہم بابا آپ کی آگ میں لذت ہ اور میری آگ میں درد۔"

"دیکھ پتر۔

عشق کے ش میں شفقت اور شفاعت چھپی ہے۔

خدا کا عشق ہمیں بندوں سے محبت سکھاتا ہے۔

اور پھر وہی عشق ہمیں سرخرو کر کے ہمیں شفاعت بخش دیتا ہے۔

عشق کی منزل ایک ہوتی ہے بس اس کے راستے اور دروازے الگ ہوتے ہیں۔ پہنچنے والے بلاآخر اپنی منزل پر ان مختلف راستوں سے ہی پہنچ جاتے ہیں۔ راستے کی مشکلیں سب کے لئے ہی ہوتی ہیں۔" وہ اپنے مخصوص ٹھہرے انداز میں بول رہے تھے۔

"پر بابا اس عشق و محبت میں اذیت کیوں ملتی ہے؟

بندے سے محبت گناہ ہے جو خدا ہمارے دل میں وہ محبت ڈال دیتا ہے جسے پایا نہیں جا سکتا ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"گناہ و ثواب کے ترازو کو رہنے دو۔

بات یہ ہے کہ جب ہمیں کسی سے محبت ہوتی ہے تو ہمارے دل میں بس اس بندے کی محبت ہوتی ہے۔

رب محبت کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ پر ساتھ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے بندے کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو۔۔" وہ اس کی طرف جھکے۔

"کمہار برتن کو آگ میں اس لئے پکاتا ہے کہ وہ کندن بن کر اتنا مضبوط ہو جائے کہ ٹوٹے نہ۔

ہم بھی مٹی کے برتن ہیں اور عشق کی آگ میں خدا ہمیں پکا کر مضبوط کرتا ہے۔

اس اللہ سائیں نے ہماری بقاء کا راز فناء میں چھپا رکھا ہے۔"

"پر بابا۔۔ یہ آگ بڑی سخت ہے جسم کے ساتھ روح کو بھی جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ وہ مجھے عطاء کیوں نہیں کی جاتی ایک غلطی کی سزا اتنی بڑی کیوں دی جا رہی ہے۔" طلال کے لہجے میں درد تھا۔

بابا مسکرائے اور بولے۔

"بیٹے۔

عطاء تب ہوتی ہے جب ہم باقی نہ رہیں۔ کسی کو پانا آسان کہاں ہوتا ہے۔ جب ہم مٹ کر مٹی ہو جاتے ہیں نا تب خدا اس مٹی میں سے وصل کا پودا پیدا کرتا ہے۔۔۔"

"پر یہ لاحاصل کی اذیت بابا۔" وہ بے چینی سے پوچھ رہا تھا۔

"میں اس اضطراب کا کیا کروں جو ہر آن مجھے بے چین کرتا ہے۔"

"دیکھ پتر۔

اس دنیا کے کھیل نرالے ہیں۔ کوئی لا حاصل کو روتے ہیں اور کچھ حاصل کو روتے ہیں۔

اپنے مقدر کے آنسو بہانے پڑتے ہیں چاہے رو کر بہاؤ چاہے ہنس کر۔

یہ جو اضطراب ہے یہ دستک دیتا ہے باب قبول پر۔

یہ اضطراب کُن ہے۔

بس جب تک وہ کُن نہیں کہتا ہے یہ اضطراب رہتا ہے۔۔ پر جیسے ہی کُن کی صدا آتی ہے یہی اضطراب میٹھے سکون میں بدل جاتا ہے۔"

"آپ بتائیں بابا کیا وہ مجھے مل جائے گی؟

اللہ والوں پر اللہ سب روشن کرتا ہے۔

آپ بتائیں نا مجھے وہ جو میری سانسوں میں اتر آئی ہے۔ جو نہیں ہوتی تو سانس لینا محال ہو جاتا ہے۔۔

بابا ڈرتا ہوں۔

کہ جس سانس میں وہ شامل نہیں ہوگی اس سانس کو کھینچ کیسے پاؤں گا۔" طلال کے لہجے میں منت اتر آئی تھی۔

"ارے پگلے۔

کچھ راز ایسے ہوتے ہیں جن سے واقف ہونا موت ہوتی ہے۔

اللہ والے اللہ کے حکم سے سب کرتے ہیں۔

آگہی کا بوجھ ہر ایک نہیں اٹھا سکتا۔

نہ جاننے میں بڑا سکون ہوتا ہے۔۔ کیوں کے تب ہمارے پاس امید ہوتی ہے۔۔ پر جن کو جاننے کا عذاب ملتا ہے وہ جانتے ہیں آگہی چیز کیا ہے۔

بس تُو دستک دے۔ ہمارا کام دستک دیکر دروازہ کھلنے کا انتظار کرنا ہوتا ہے۔۔"

"بابا اگر یوں ہی رہا تو دم گھٹنے سے مر جاؤں گا مٹ جاؤں گا۔

ایک لڑکی کی محبت نے مجھ سے سکون چھین لیا میرا۔"

"کسی کو پانے کے لئے مٹنا پڑتا ہے بیٹے۔

جب تک خود کو اپنی "میں" کو کھویا نا جائے کسی کا پایا نہیں جا سکتا ہے۔

جب یہ "میں" مرتی ہے نا تو تب ہی ذات کا عرفان نصیب ہوتا ہے۔ تب ہی ہم خود میں ڈوب کر کسی دوسرے کے اندر جا

نکلتے ہیں۔

خدا کو پکارو کہ وہ سنتا ہے۔

کسی دستک میں تو اثر ہو گا کوئی پکار تو باب قبول سے آگے نکل جائے گی۔

چل اٹھ آ میرے ساتھ دو نفل پڑھتے ہیں۔"بابا بات کے اختتام پر کھڑے ہوئے تو وہ بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

سجدوں میں ڈھونڈنی والی چیزوں میں سب سے قیمتی ترین چیز محبت ہوتی ہے۔اس کا سجدہ کب قبول ہوتا یہ بس مسجود جانتا تھا۔

اور وہ اپنے رازوں کا بہترین نگہبان تھا۔

☆☆☆☆

"تمہیں کب سے میسجز کر رہا ہوں میں انسان تو جواب تو دیتا ہے نا۔مجھے تمہاری فکر ہو رہی تھی اس لئے آفس جانے کے بجائے سیدھا تمہاری طرف آیا ہوں۔"

"میرے ٹیکسٹ میسجز نہیں جا رہے ہیں۔"زرشاہ نے منہ بنا کر کہا۔

"لو یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے لاؤ ہیلپ لائن پر کال کرتا ہوں۔"طلال نے اس سے موبائل لیا اور ہیلپ لائن کا نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو۔!کنیز بات کر رہی ہوں کیا مدد کر سکتی ہوں آپ کی سر۔!"

"آپ کنیز ہیں اور انداز ملکہ برطانیہ جیسا ہے،ویسے کس کی کنیز ہیں آپ۔"طلال کی رگ ظرافت پھڑکی تھی۔

"سوری سر۔!میرا نام کنیز ہے۔میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں۔؟؟"

"کرنے کو بہت کچھ ہے پر کیا آپ میری منگیتر کو میری کنیز بنا سکتی ہیں۔؟؟"آپریٹر کی بات کے جواب میں طلال بولا تو زرشاہ نے اسے گھورا۔

"شرافت سے بات کرو طلال۔"طلال نے سر ہلایا۔

"اچھا چیک کریں اس نمبر سے میسجز نہیں جا رہے ہیں صبح میری منگیتر نے مجھے i love you کا میسج کیا ہے پر مجھے ابھی تک نہیں ملا۔چیک کریں کہاں مر گیا ہے۔کہیں ملے تو اسے کان سے پکڑ کر میرے پاس لائیں مجھے I love you too بولنے کی بڑی جلدی ہے۔"زرشاہ نے جھپٹ کر اس سے موبائل لیا اور کال کاٹ دی۔

"ہر جگہ بونگیاں مارنا ضروری نہیں ہوتا ہے۔کبھی تو سیریس ہو جایا کرو۔"

"دیکھو جان بہار۔۔پل دو پل کی زندگی ہے اسے سیریس ہو کر کیوں برباد کروں میں انجوائے کرنے دو زندگی کے ہر پل کو۔"

"اے مسٹر۔دوبارہ مجھے جان بہار یا اس جیسے کسی فضول نام سے پکارہ تو دیکھنا تم۔"

"ہائے پری جمال۔ تمہیں ہی دیکھ تا رہتا۔نہ دل بھرتا نہ آنکھیں تھکتی ہیں۔ تمہیں دیکھتے رہنا اور تمہیں سوچتے رہنے سے زیادہ خوبصورت اور کوئی کام نہیں ہے۔"طلال کے لہجے میں محبت گھل گئی تھی۔

"تمہیں بزنس مین نہیں بلکہ شاعر ہونا چاہئے تھا۔کیوں کے تمہارے اندر ساری کوالٹیز شاعروں کی ہیں۔"زرشاہ ہنسی تھی۔

"اچھا چلو اچھا سا شعر سنائو مجھے کزن۔"

دودھ مانگا تھا ملائی نہیں

پیار مانگا تھا جدائی نہیں۔۔!!

"شکل سے ہی دودھ والے گوالے لگتے ہو تم۔یہ شعر ہے۔؟؟"

"تمہیں دیکھ کر یہ شعر ابھی ابھی مجھ پر نازل ہوا دیکھنے میں تم بھی ملکی ملکی سی لگتی ہو۔"

"منہ بند ہی رکھو تم تو۔"زرشاہ نے جھلا کر کہا تو طلال ہنسا۔

"اجی آپ آنکھوں سے گفتگو کیجئے تو ہم بھی منہ بند کر کے آنکھوں سے بات کریں گے۔"

"چلو اٹھو بھاگو اب۔نکلے کہیں کے آفس جائو۔"

"ہاں جا رہا ہوں بھئی۔"طلال نے کوٹ اٹھایا اور اسے گڈبائے کہہ کر باہر نکل گیا۔۔

"اچھا ایک بات تو میں بھول ہی گیا۔"وہ دوبارہ لاونج میں داخل ہوا تو وہ چونکی۔

"اب کیا بات ہے۔"

"وہ میں کیا سوچ رہا تھا کیوں نا ہم مل بیٹھ کر یہ ڈیسائیڈ کریں کہ ہم نے ہنی مون پر کہاں جانا ہے۔"زرشاہ نے پاس پڑے گلدان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ ہنستا ہوا واپس نکل گیا۔

"طلال ابراہیم۔۔۔تم چیز کیا ہو۔"

زرشاہ نے دروازے کو دیکھتے ہوئے دل میں کہا اور پاس پڑی کتاب اٹھا کر پڑھنے لگی۔

☆☆☆☆

اندر کی تنہائی اور شور سے تنگ آکر اس نے یونیورسٹی جانے کے فیصلہ کیا تھا اس لئے آج اتنے عرصے کے بعد جب اس نے

یونیورسٹی میں قدم رکھا تو ہر ایک کی زبان پر پروفیسر حماد کے کا نام تھا۔

جب وہ کلاس کی طرف جا رہی تھی تو اس کی دوست مسلسل پروفیسر حماد کا ورد کئے جا رہی تھی۔

"افففو تحریم اب بس بھی کر دو دیکھ لوں گی تمہارے پروفیسر حماد کو بھی۔" کتابوں کو ڈسک پر رکھتے ہوئے اس نے برا سامنہ بناتے ہوئے کہا تو جواب میں تحریم قہقہ لگا کر ہنسی اور بولی۔

"ہاں ہاں دیکھ لینا اس کے بعد تم بھی ان کی گفتگو کی دیوانگی ہو جاؤ گی کس قدر دھیما اور خوبصورت انداز ان کا دل کرتا بس انسان سنتا ہی رہے۔" انگلش کا پیریڈ ختم ہوا تو کلاس میں نامحسوس سی بے چینی پھیلی سب دروازے کی سمت دیکھنے لگے۔

"ابھی وہ آئیں گے۔" تحریم نے اس کان میں سرگوشی کی اس پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتی وہ کتاب کو اپنی بغل میں دبائے کلاس روم میں پروفیسر حماد داخل ہوئے۔

"السلام علیکم عزیز طلباء۔" کتاب کو میز پر رکھتے ہوئے جب وہ بولے تو گویا کسی کومل کرنوں نے پوری کلاس کو روشن کر دیا۔

وہ جو ان کے عام شکل وصورت کو دیکھ کر برا سامنہ بنا رہی تھی۔ ان کے لہجے کی چاشنی کا اعتراف کر گئی تھی۔

"تو کل ہم کہاں تھے۔۔؟؟" میز کے سامنے والے حصے سے ٹیک لگاتے ہوئے انہوں اپنی عین کے پیچھے سے کلاس کو دیکھا۔

"کل آپ احساس پر بات کر رہے تھے سر۔۔" کوئی پیچھے سے بولا تھا۔

"ہاں!، احساس۔۔" انہوں نے سر ہلایا۔

"احساس کیا ہوتا ہے سر۔۔؟؟" تحریم نے سوال پوچھا تو ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تیری۔

"احساس کی تعریف کیا ہو گی مجھے معلوم نہیں، شاید احساس قربانی ہے۔

میں بس اتنا جانتا ہوں کہ احساس ہمیں مردوں سے الگ کرتا ہے۔ لازمی نہیں کہ جن کو قبروں میں دفنا دیا گیا ہو وہی مردہ تصور کئے جائیں۔ احساس کا ختم ہو جانا بھی موت ہی ہے۔

کچھ جسم قبروں کی طرح ہوتے ہیں جن میں احساس دفن ہوتا ہے۔

اور اگر ہم ماضی میں جھانکیں تو جو لوگ احساس رکھتے تھے یا وہ جو احساس لکھتے تھے آج بھی ہمارے اندر زندہ ہیں۔

اور بہت سے لوگ جو آج ہم میں زندہ ہیں وہ مردہ ہیں کیوں کے ان میں احساس نہیں۔

دنیا میں بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جو حقیقی معنوں میں جیتے ہیں۔ زیادہ تر اپنی پیدائش کے کچھ سال بعد مر جاتے ہیں لیکن دفنائے اس وقت جاتے ہیں جب طبعی موت مرتے ہیں۔"

"ہم کیسے جانیں گے کہ ہم میں احساس زندہ ہے۔۔؟؟" کلاس کے آخر میں سے کسی نے پوچھا تھا۔

"ٹریفک میں کسی نابینا کو دیکھ کر گاڑی یا بائیک روک کر اسے سڑک پار کرنے میں مدد کرنا۔
سخت گرمی میں پیاس سے نڈھال چڑیوں کے آگے پانی رکھنا، کسی اجنبی کو اس کی منزل کا پتا ٹھیک سے بتانا۔ اپنا موبائل کا چارجر کسی دوسرے کو ماتھے پر بل لائے بغیر دینا۔ اور اس جیسے چھوٹے چھوٹے سارے کام اگر آپ کرتے ہیں تو گویا آپ میں احساس زندہ ہے۔

احساس کسی بڑی چیز کا نام نہیں۔

احساس تو یہ ہے کہ آپکی وجہ سے کسی کے چہرے پر مسکراہٹ آجائے۔

آپ کی موجودگی اگر کسی کے لئے ڈھارس ہے تو یہ بھی احساس کی قسم ہے۔"

"سر ہمارے معاشرے میں احساس کیوں نہیں رہا ہے۔۔؟؟" ایک معروف بزنس مین کی سجی سنوری بیٹی نے ایک ادا سے سوال پوچھا۔

تحریم نے اس کے ہاتھ دبایا۔ وہ یہ سگنل سمجھتی تھی سو مسکرادی۔

"کیوں کہ ہمارا معاشرا، معاشرا نہیں رہا۔

مادیت کی دوڑ نے فاصلے اور دوریاں پیدا کر لیں۔ جدید ٹیکنالوجی نے رابطے تو آسان کر لئے لیکن فاصلے بڑا دیئے۔

ہر شخص کو قید کر لیا گیا ہے ہر ایک صرف اپنے نفس کا غلام ہو گیا وہ بس اسی کی سنتا اور مانتا ہے۔

جیسے جیسے جدید دور میں آسانیاں پیدا کی جا رہی ہیں ویسے ویسے لوگ لوگوں سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

لوگوں کو لوگوں کے لئے تو دور اب اپنے لئے بھی وقت نہیں ملتا ہے۔

سوشل نیٹ ورک نے انسان کو اپنی ذات سے ہی الگ کر دیا ہے۔

جب کسی کو اپنے لئے وقت نہیں ملے گا تو پھر کیسے وہ اپنی ذات کا محاسبہ کر پائے گا۔

ہمارے ہاں گناہ کا تصور ہی مٹ رہا ہے۔ جب ہم گناہ کو گناہ نہیں مانیں گے تو پھر کیسے ہم اسے چھوڑیں گے۔

اور جب گناہ چھوڑیں گے نہیں تو دل بے سکون ہو گا۔ جب سکون نہیں ہو گا تو مزاج میں سے رفتہ رفتہ احساس اڑ جائے گا۔

جب تک ہم دوسروں کو وقت نہیں دیں گے اپنی ذات کو کٹہرے میں نہیں کھڑا کریں گے تب تک ہم کوئی احساس نہیں پا سکتے ہیں۔ احساس دل کے سکون کا نام ہے۔

اور اس تیز رفتار دور میں جب رشتے بکھر چکے ہیں ہم گھر میں رہ کر بھی نہیں رہتے ہیں تو پھر کیسے ہمیں محسوس کرنے کی صلاحیت ملے گی۔" انہوں نے بات ختم کی اور ساتھ ہی پیریڈ کے ختم ہونے کا اشارہ ملا۔

انہوں نے میز سے کتاب اٹھائی اور بغل کے نیچے رکھتے ہوئے بولے۔

"فیصلہ ہمیشہ سے ہم نے کرنا ہوتا ہے کہ ہم کیا ہیں۔ زندہ یا مردہ۔

بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ وہ مر چکے ہیں بس وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔

اب کل ملتے ہیں زندگی نے جینے کی مہلت دی تو۔"

وہ کلاس سے باہر نکل گئے اور پیچھے سب ان کی گفتگو اور لہجے کی اتار چڑھائو کے متعلق باتیں کرنے لگے۔

"تمہارے پرفیسر واقعی اچھا بولتے ہیں۔" تحریم کو دیکھتے ہوئے وہ بولی تو وہ ہنس دی۔

باقی کلاسیں معمول کے مطابق لیتے ہوئے اسے لاشعوری طور پر کل پھر پروفیسر حماد کی کلاس کا انتظار محسوس ہو تا رہا تھا۔

☆☆☆☆

ٹورسٹ گائیڈ ہاتھ میں لئے ہوئے وہ تیزی سے شاپ سے نکل رہا تھا جب اچانک ہی وہ کسی سے ٹکرایا۔

"مسٹر دیکھ کر نہیں چل سکتے۔۔؟؟" کمر پر ہاتھ رکھے وہ تھیکے انداز میں اس سے مخاطب تھی۔

"سوری! جلدی میں تھا اس لئے دھیان نہیں رکھ پایا۔" گائیڈ کو اٹھاتے ہوئے اس نے معذرت خوانہ لہجے میں کہا۔

"ہونہہ۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"اب راستہ دیں گی۔۔؟ میں نہیں چاہتا کہ دوسری بار آپ سے ٹکرائوں۔" وہ ہلکے سے مسکرایا۔

اسے گھورتے ہوئے وہ دائیں طرف ہٹی تو وہ اس کے قریب سے نکلتا چلا گیا۔

اس بار یونیورسٹی کا ٹور شمالی علاقہ جات کو جا رہا تھا۔

اور اسے فطرت کا حسن قریب سے دیکھنا تھا۔ بلند برفیلی پہاڑیاں سبزے سے بھرے میدان، گاتی ندیاں، اسے ہمیشہ سے پسند تھیں۔

اور وہ اس حسین موقع بھلا کیسے کھو سکتا تھا۔

اس لئے جیسے ہی اسے پتا چلا اس نے شمالی علاقہ جات کے متعلق کتابیں اکھٹی کرنا شروع کر دیں تھیں وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی بھی خوبصورت جگہ وہ miss کر دے۔

گاڑی کی طرف قدم بڑاتے ہوئے وہ کچھ دیر پہلے ہونے والے ٹکرائو کے متعلق سوچ کر مسکرا رہا تھا۔

وہ جو کوئی بھی تھی کافی غصیلی تھی۔

☆☆☆☆

"باباجی عشق کیا ہے۔۔؟؟" طلال درگاہ کے آنگن میں بیٹھا بابا رحیم سے پوچھ رہا تھا۔

"عشق!" بابا رحیم نے ایک طویل سانس کھینچی اور پھر بولنے لگے۔

"پتر! عشق عطا ہے اس کائنات کا وجود عشق سے ہے۔ عشق ایک ازلی رشتہ ہے جو ہمیشہ سے قائم رہا ہے ہے کہیں عشق حقیقی تو کہیں عشق مجازی کی روپ میں۔

عشق کیا ہے کیا نہیں اسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ عشق کا اظہار ہی عشق ہے۔ عشق ایک حالت ہے کہ جس میں عاشق ڈوب کر ازل عشقا ابد عشقا کا نعرہ بلند کرتا ہے"

"عشق خاموشی میں پنپتا ہوا احساس ہے۔"

سلطان باہو فرماندے۔

عاشق پڑھن نماز پرم دی، جبیں وچ حرف نہ کوئی ھو

جیہا کیہا نیت نہ سکی اُتھ دردمند دل ڈھوئی ھو

اکھاں نیر تے خون جگر دا وضو پاک سزوئی ھو

جیبھ نہ ملے ہونٹ نہ پھڑکن خاص نمازی سوئی ھو

"پتر عشق دل دا سجدہ ہے۔ صوفی ہمیں یہی سکھاتے ہیں کہ چہرہ قبلے کی طرف ہونا کافی نہیں روح بھی قبلے کی طرف ہو، پیشانی محبوب کی چوکھٹ پر نہیں بلکہ ساتھ دل بھی چوکھٹ پر ہو۔ خالی کپڑے نہیں من بھی پاک ہو۔" طلال کے دل میں باباجی کی باتیں اترے جا رہی تھیں۔

"بابا کیا عشق پانے کا نام ہے۔۔؟؟"

"نہ پتر! عشق کوئی چیز تھوڑی ہے کہ پالی جائے عشق تو ایک کیفیت ہے جو ہمیشہ عاشق پر طاری رہے۔ عشق حالت جس میں ہمیشہ عاشق گم رہے۔

عشق ذات کی معرفت ہے۔ اور معشوق مرشد جیسا جس کے پیچھے چلتے چلتے آپ اپنی منزل تک جا پہنچے۔ جس طرح سلوک کی منزلیں بنا مرشد طے نہیں کی جاسکتی ہیں ویسے ہی عشق کی منزل گہرے اور سچے عشق کے بغیر پائی نہیں جاسکتی ہے۔

عشق اپنی پہچان کا نام ہے۔۔ اور میرا سوہنے نبی جی دا فرمان ہے۔"

۔"جس نے خود کو پہچان لیا اس نے رب کو پہچان لیا"

"بابا۔۔!! دل بوجھل ہے دل کرتا ہے آنکھیں بند کروں اور منظر سے کہیں غائب ہو کر کسی جنگل اور ویرانے میں جا نکلوں

۔"طلال نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا تو بابا کی چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولے۔

"کسے ڈھونڈنا ہے بیابانوں میں۔۔؟؟

جسے ڈھونڈ کر سکون مل جائے وہ تو تمہاری ہی اندر بیٹھا ہے جو تمہیں اپنی طرف بلا رہا ہے۔

ایہ تن رب سچے دا حجرہ وچ پا فقیرہ جھاتی ھو

من میں دیکھ پتر وہیں تو ہے وہ ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی۔

نماز کا وقت ہے پتر۔۔ آ اٹھ مالک سے ملتے ہیں کچھ باتیں تو کر کچھ باتیں میں کرتا ہوں۔"

بابا کھڑے ہوئے تو طلال بھی ساتھ کھڑا ہو گیا۔

☆☆☆☆

"ہمارے پاس سب انمول تحفہ جو خدا کا ہے وہ احساس ہے۔ اور ایک ایسا دل میں جس انسانیت کا درد ہو۔" وہ اپنے مخصوص دھیمے انداز میں کلاس سے مخاطب تھے۔

"جو کسی کی تکلف پر درد محسوس کرے اور کسی کی مسرت پر خوشی کو محسوس کرے۔"

"سر احساس کی تعریف definition کیا ہے۔۔؟؟" کس نے سوال پوچھا تھا۔

وہ کچھ دیر خاموش رہے جیسے احساس کو محسوس کر رہے ہوں پھر احساس بھرے لہجے میں بولے۔

"حساس کی معراج یہ ہے کہ ہم کسی کے زخموں سے اپنا خون بہتا ہوا محسوس کریں۔

کسی کے خالی پیٹ ہونے کی اینٹھن ہمارے معدے میں اٹھے۔

احساس کی تعریف یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھ سے کسی اور کے آنسو بہائیں۔

جب تک ہم میں احساس بیدار نہیں ہو گا ہم ذہنی الجھنوں کا شکار رہیں گے۔ دل و دماغ ہمیشہ بوجھل رہیں گے۔"

"سر ہمارے اندر سکون نہیں اس کی کیا وجہ ہے۔۔؟؟" اب اس نے ڈرتے سوال کیا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"دلوں کے اندر جب بہت ساری بیمار خواہشات جمع ہو جائیں تو سکون اڑ ہی جاتا ہے۔ کچھ خواہشیں۔روح کو "جراثیم" کی طرح لگتی ہیں اور روح بیمار ہو جاتی ہے۔ یہ وہ خواہشات ہوتی ہیں جو ہمیں اپنی حدود سے باہر نکلنے پر اکساتی ہیں۔ ہماری حدود کیا ہیں اس کا تعین ہم کبھی نہیں کرتے ہیں اور نہ ہمیں ایسا کرنا چاہیئے۔ ہماری اس لمحے تک محسوسد ہے جس لمحے میں ہم موجؤد ہیں۔ اسے آگیک اادراک ہمیں کبھی نہیں ہوتا ہے۔ اس کے لئے ہمیں مذہب کی طرف دیکھنا ہوتا ہے۔۔۔ کیوں مذہب خدا بناتا ہے اور وہ

سب جانتا ہے کل کیا ہو گا۔ ہر وہ انسان جو اپنی حد سے نکلتا ہے وہ بے سکونی کا شکار ہو جاتا ہے۔ایک اور بڑی وجہ بے سکونی کے یہ ہے کہ ہم میں ''قناعت'' نہیں رہی۔۔ہم۔الحمد اللہ 'کہنا بول چکے ہیں۔شکر سے انسان کی زندگی میں چینی کی طرح ہوتا ہے' جتنا شکر کرو گے زندگی اتنی آسان ہو جائے گی میٹھی ہو جائے گی۔

ہم سکون کو وہاں ڈھونڈ رہے جہاں سے بے سکونی شروع ہوتی ہے۔دلوں کا اطمینان تو اللہ کا ذکر میں ہے۔اور ہم لوگوں کے ذکر میں مشغول ہیں۔

ساتھ ہماری ایک بد قسمتی ہے کہ جو ہمیں عطا کر دیا جاتا ہم اسے چھوڑ کر ان چیزوں کے پیچھے بھاگتے ہیں جو ہمارے زندگی میں نا آنی ہوتی نا ان کا ہونا اتنا ضروری ہوتا کہ ہم اس کے پیچھے بھاگے۔۔میں آسان سے بات کہتا ہوں۔۔عطا پر ''شکر''۔۔اور خطاء پر ندامت اور توبہ۔۔یہی زندگی کا سکون ہے۔

ہمیں پانی کی طرح رہنا چاہئے جو راستے میں ان چیزوں پر اپنا وقت برباد نہیں کرتا جو اس کی طاقت میں نہیں ہوتی ہیں۔وہ دائیں بائیں سے ہوتا ہوا گزر جاتا ہے۔

وہ جانتا ہے کہ یہاں ٹکریں مارنے سے کچھ ہونے والا نہیں ہے سوائے شور اور اذیت کے ہم اگر پانی کی طرح اپنے راستے پر بہتے رہیں تو بہت سارا سکون حاصل کر سکتے۔۔"

"سر بے بسی کیا ہے۔۔؟؟" تحریم کہاں خاموش رہنے والی تھی۔

"جب کچھ بھی نہیں ملتا تو انسان لا حاصل کو حاصل سمجھ کر گلے سے لگا لیتا ہے اور سچ کہوں تو یہی بے بسی کی انتہا ہوتی ہے۔"

"سر !لوگ تلخ ہوتے جا رہے ہیں اس کی وجہ کیا ہے۔۔؟؟"

"اکثر لوگ اپنی نہیں دوسروں کی من پسند زندگی جیتے ہیں۔شاید اسی لئے ہر انسان کے اندر تلخی کا عنصر تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے۔

کیا وقت ہر زخم کا علاج ہے۔اس نے دھیرے سے پوچھا تو پتا نہیں کیوں وہ ایک بار پھر چونکے

اسے لگا جیسے اس نے ان کا کوئی زخم کرید دیا ہو۔

جسم کے گھاؤ بھر جاتے ہیں اگر زخم گہرا ہو تو پیچھے نشان چھوڑ جاتا ہے۔

کہتے ہیں وقت سب سے بڑا مرہم ہے، لیکن بس کہتے ہی ہیں۔کچھ زخموں کو وقت کرید کرید کر ناسور کر دیتا ہے۔وہ زخم روح کے ہوتے ہیں جب ایک بار روح گھائل ہو جائے تو پھر کوئی دعا کوئی دوا اثر نہیں کرتی ہے۔روح کے زخم رفو نہیں ہوتے ہیں۔

ہم ہمیشہ ان میں اٹھتی ہوئی ٹیسوں کو محسوس کرتے ہیں۔"

"ممکن ہے روح کے زخم بھی بھر جاتے ہوں۔۔؟؟" اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے پروفیسر کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں! ممکن ہے۔

روح کے زخم وہی دیتے جن سے روح کا رشتہ ہو۔ اگر کسی کے ساتھ روح کا رشتہ دوبارہ بحال ہو جائے اور وہ اتنے ہی خلوص سے زخم سیئے جتنے خلوص سے زخم دیا گیا ہو تو شاید روح کے زخم بھی بھرے جاسکتے سیئے جاسکتے۔"

"زندگی کیا ہے۔۔؟؟" کلاس کے آخری سرے سے کسی نے سوال پوچھا تو وہ مسکرا دیئے اور بولے۔

"زندگی میں زندہ رہنے کے لئے سانسوں کا ہونا اتنا ضروری نہیں جتنا 'زندگی' ہونا ضروری ہے۔

اور آپ جانتے ہیں زندگی کیا ہے۔۔؟؟

زندگی احساس ہے۔۔!"

پیریڈ ختم ہو چکا تھا۔

ان کی گفتگو سننے کا اپنا ہی مزہ ہے تحریم نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

☆☆☆☆

"آپی آپ ٹور پر جا رہی ہیں کیا۔۔؟؟" فائزہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں دل نہیں میرا۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے جواب دیا۔

ان کی کلاس شمالی علاقہ جات جا رہی تھی کچھ دیگر ڈیپارٹمنٹ کی لڑکیاں لڑکے بھی جا رہے تھے۔ تحریم نے اس سے پوچھا تھا پر اس کا دل نہیں کر رہا تھا اس لئے انکار کر دیا تھا۔

"اففف اتنی پیاری جگہوں پر آپ نہیں جا رہی ہیں۔ یہ دیکھیں میں نے کل گوگل پر سرچ کی تھیں یہ پکچر۔" فائزہ اپنا ٹیب لئے اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔

اور اب اسے پکچرز دکھا رہی تھی۔

بے شک حسین ترین مقامات تھے۔ پر جب اندر ویرانی ہو تو باہر کا حسن کوئی معنی نہیں رکھتا۔

"آپ لازمی جانا اس طرح آپ پر چھائی یہ اداسی بھی دور ہو جائے گی۔ آب و ہوا بدلنے سے سنا ہے انسان کے مزاج پر بڑا فرق پڑتا ہے۔"

اس نے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے سوچوں گی میں۔"

"تانیہ مجھے ملی تھی۔ کہہ رہی تھی طلال بھائی نے جوگ پال لیا ہے۔" فائزہ نے طلال کی بہن کا نام لیا تو وہ چونکی۔

"کیوں کیا ہوا۔۔؟"

"وہ کہہ رہی تھی گھر کم آتے ہیں وہ۔ شہر کے باہر ایک درگاہ ہے وہاں پڑے رہتے ہیں۔ آنٹی بھی بہت پریشان ہیں ان کے لئے اور تانیہ تو ان کی حالت کا بتاتے ہوئے رو ہی پڑی تھی۔ آپ طلال بھائی کو بہت بڑی سزا دے رہی ہیں آپی۔"

"غلطی بھی کافی بڑی تھی اس کی سزا تو ملنی ہی ہوتی ہے۔" زرشاہ کا لہجہ کسی بھی قسم کے جذبے سے عاری تھا۔

"ایک غلطی تو خدا بھی معاف کر دیتا ہے اور آپ نہیں کر رہی ہیں آپی۔" فائزہ نے شکائتی لہجے میں کہا تو زرشاہ نے سر جھٹکا۔

"خدا معاف کرتا ہے اور میں انسان ہوں اس لئے معاف نہیں کر سکتی ہوں اور اب اس موضوع پر مجھے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔ وہ جو کر رہا ہے اس کی اپنی مرضی ہے میں نے مجبور نہیں کیا اسے ایسا کرنے کے لئے۔" فائزہ نے اپنی بہن کو دیکھا۔

اور پھر کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ ٹیبلٹ کو چارجنگ پر لگا کر جب وہ باہر نکلی تو زرشاہ نے ایک طویل سانس کھینچا۔

اور موبائل نکالا۔

"تم اگر یہ سوچ رہے ہو کہ تم جو کر رہے ہو اس سے میرا دل نرم ہو جائے گا اور میں تمہیں معاف کر دوں گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔" میسج سنڈ کر کے وہ کچھ دیر موبائل کو دیکھتی رہی پھر سائیڈ پر پڑی کتاب اٹھا کر اسے پڑھنے لگی۔

☆☆☆☆

"زندگی میں بہت سارے غم ملتے ہیں ہر غم کی کوئی نا کوئی وجہ ہوتی۔ کائنات کی بڑی سچائیوں میں سے ایک سچائی۔'وجہ' ہے۔

ہمارا یہاں ہونا کسی وجہ سے ہے۔ کائنات کسی وجہ کے لئے تخلیق کی گئی ہے۔ سورج، چاند، کرسیاں، درخت، کھانے کی اشیاء غرض ہر چیز کے پیچھے وجہ کی سائنس کارفرما ہے۔

اور وجہ ہی ہر تخلیق کا بہت بڑا غم ہے۔ جیسے سمندر کا غم اس کی گہرائی اور گہری خاموشی ہوتی ہے۔"

"اور محبت کا۔۔۔؟؟"

غیر ارادی طور پر اس کے لبوں سے سوال پھسلا تھا۔

اور جواب میں جب وہ اس کی آنکھوں میں سچ جاننے کے لئے اترے تو وہ نظریں چرا کر بلیک بورڈ کو دیکھنے لگی۔

وہ مسکرائے اور کلاس پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے بولے۔

"محبت کا غم سمندر سے زیادہ ہوتا ہے، ہم سمندر کی گہرائی تو جان سکتے ہیں لیکن محبت کی کبھی نہیں۔

بس یہی تو محبت کا غم ہوتا ہے کہ وہ اتنی گہری ہوتی ہے کہ کوئی پیمانہ اسے ماپ نہیں پاتا۔

"کیا آپ کو بھی محبت ہوئی تھی۔۔؟؟" کسی لڑکے نے پوچھا تو زرشاہ نے چونک کر ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔

ایک ملال ان کے چہرے پر کسی کی یادوں کا سایہ ڈالتے ہوئے گزرا تھا۔

انہوں جیسے خود کو سنبھالا۔اور بولنے لگے۔

"ہر انسان کبھی نا کبھی زندگی میں اس محبت شکار ہوتا ہی ہے۔کوئی بھی انسان یہ دعوا نہیں کر سکتا ہے کہ اس نے کسی سے محبت نہیں کی۔

ہم سب ہی کسی نا کسی سے محبت کرتے ہیں۔ماں سے بھائی سے سچے دوست سے یا پھر اس سے جو کائنات کے چھٹے موسم کی خبر دینے کے لئے آپ کے دل کی سرزمین پر اترتا ہے۔وہ کوئی، کوئی بھی ہو سکتا ہے۔بس کچھ پر وہ موسم ہمیشہ قائم رہتا ہے اور کچھ پر بادلوں کی سی تیزی کے ساتھ گزر جاتا ہے اور ہم خاموشی سے اسے جاتا دیکھتے رہتے ہیں۔

زرشاہ نے دل میں سوچا کہ انہوں بات کو ایسے انداز میں کہا کہ کوئی بھی نہیں سمجھا تھا کہ ان پر بھی کبھی محبت کا موسم اترا تھا یا نہیں۔"

"سر کائنات کے تو چار موسم ہوا کرتے تو پر پانچوں موسم کون سا ہے جب چھٹا محبت کا ہے۔۔؟؟" وہ سوال سن کر اسی دھیمے انداز میں مسکرائے اور بولے۔

"پانچواں موسم خوابوں کا موسم ہوتا ہے۔

پر کبھی کبھی یہ خوابوں کا موسم آنکھوں کو راس نہیں آتا ہے۔

کیوں کے اس موسم میں کچھ خواب ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے بعد آنکھیں گمشدہ ہو جاتی ہیں۔

اور وہ کچھ خواب پتا ہے کون سے خواب ہوتے ہیں۔۔؟؟"

انہوں نے سوالیہ نظروں سے کلاس کو دیکھا، پر جواب میں خاموشی کو پا کر وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں بولے۔

"وہ خواب وہ ہوتے جو خوابوں اور آنکھوں دونوں کے لئے خواب ہو جاتے۔

اور آنکھیں ان گمشدہ خوابوں کی تلاش میں بھٹک جاتی ہیں۔"

"اگر ہم کسی سے محبت کرتے ہوں تو کیا کہہ دیا جانا چاہئے۔اور اسے حاصل کرنے کی خواہش بھی کرنے چاہئے۔۔؟؟"

سوال و جواب کا سلسلہ دراز ہو رہا تھا۔

"محبت خوشبو کی طرح ہوتی ہے جو اپنی خبر دیتی ہے۔ہاں کہہ دینے سے مان بڑھ جاتے ہیں محبوب معتبر ہو جاتا ہے۔

محبت میں وصل کی خواہش ہمیشہ سے ہی رہتی ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو محبت ادھوری رہ جائے جسے پایا نا جا سکے وہ محبت ہمیشہ سے ہمارے اندر رہتی ہے۔ لا حاصل محبت ہی ہمیں محبت کا اصل مفہوم سکھاتی ہے جو ساری زندگی کسک بن کر دل میں رہتی ہے۔

اور کبھی کبھی ہم کسی سے خاموش محبت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کچھ کہے بنا کچھ طلب کئے بغیر بس کسی کو چاہنا اور چاہتے رہنا ہماری مجبوری ہوتی ہے اور اسے پانا محض ایک خواب۔"

"آخر محبت پائی کیوں نہیں جا سکتی ہے۔؟؟" تحریم نے پہلو بدلتے ہوئے سوال پوچھا۔

"بہت ساری چیزیں پانے سے زیادہ کھونے میں زندگی رکھتی ہیں جیسے کہ محبت جو پا لی جائے تو کبھی نا کبھی فراموش کر دی جاتی ہے۔ ہم انسان عجیب ہیں حاصل کی کبھی توقیر نہیں کرتے ہیں اس پر کبھی قناعت نہیں کرتے ہیں۔ ہماری فطرت میں لا حاصل کی تلاش اس کی جستجو اس کے پیچھے بھاگنا ہے۔ جو عطاء ہوتی ہم اس پر شکر گزار کبھی نہیں بنتے جو۔ ہمارا نہیں ہوتا اس پر شکوے کرتے ہیں اس کے پیچھے روتے ہیں آہ و زاریاں کرتے ہیں اشک بہاتے ہیں۔

کسی وعدے لیتے ہیں قسمیں کھاتے ہیں لیکن جو ہمارا نہیں ہوتا ہے وہ کسی نا کسی موڑ پر ہمیں چھوڑ کر اپنے راستے پر چلا جاتا ہے۔

ہزاروں قسموں وعدوں کے بعد یوں ہوتا ہے کہ چھوڑنے والا چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ اور آپ اس درخت کی طرح تنہاء رہ جاتے ہیں جس کی شاخوں سے خزاں کی تیز آندھی آخری پتہ تک نوچ کر لے گئی ہو۔

محبت کے وہ چند خوبصورت پل آپ کی زندگی کو درد کے جہنم میں بدل دیتے ہیں۔ جس میں آپ کا وجود لمحہ بہ لمحہ پگھلتا رہتا ہے اور یہ کتنا اذیت ناک ہوتا ہے یہ تو وہی جانتے جو محبت کرتے ہیں۔

یہ اس لئے ہوتا کہ ہمیں عطا کی سمجھ نہیں آتی۔ ہم ناشکری کرتے ہیں تو خدا ہمیں اس جگہ سے توڑتا جہاں سے ہم جڑنا چاہتے ہیں۔

اس لئے میں کہتا ہوں۔

محبت عالم خواب میں گزرے گئے چند حسین پہروں کا نام ہے۔"

ہمیشہ کی طرح وقت ختم ہو گیا تھا۔

انہوں کتاب بغل میں رکھی اور باہر نکل گئے۔

زرشاہ سوچتی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ محبت تو انہوں نے بھی کی تھی۔ اس نے دل میں سوچا تھا۔

☆☆☆☆☆

طلال نے زرشاہ کا میسج پڑھا تو ایک اداس سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بجھ سی گئی۔ وہ اس سے کافی ساری باتیں کرنا چاہتا تھا اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ اس سے پہلے سے زیادہ محبت کرتا ہے۔

پر وہ جانتا تھا کہ اس کی باتیں کی سماعتوں تک تو جاتی ہیں پر اس کے دل تک رسائی حاصل نہیں کرتی ہیں۔

کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے شناسا لہجوں میں اجنبیت کا اتر آنا۔ نگاہوں کا بدل جانا، انسان کی روح میں اجنبی لہجے کیسے نشتر چبھا جاتے ہیں یہ بولنے والے تو نہیں جانتے ہیں پر سننے والے ان نشتروں سے کیسے زخمی ہوتے ہیں اور ان کا درد کیا ہوتا ہے اچھے سے محسوس کرتے ہیں۔

جس تن لاگے وہ تن جانے۔

کچھ سوچ کر طلال نے میسج لکھا۔

"جانتا ہوں کہ تم مجھے معاف نہیں کرو گی یہ صفت انسانوں میں کہاں ہوتی ہے کہ وہ معاف کر دیں بھول جائیں غلطیوں کو جتائے بنا کہیں جاؤ معاف کیا۔

سچ کہوں تو میں یہ سب کچھ تمہیں منانے کے لئے نہیں کر رہا ہوں، بلکہ خود کو یقین دلالنے اور منانے کی کوشش کر رہا ہوں شدید محبت کے بعد بھی انسان کے پاس تکلیف دہ یادوں کے سوا کچھ نہیں رہتا ہے۔" موبائل کو بیڈ پر پھینک کر وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے بیڈ پر دراز ہو گیا۔

"حاصل اور لاحاصل کی جنگ میں انسان اپنے وجود کو بری طرح زخمی کرتا ہے۔ جو ملتا ہے اس پر شکر کرو اور الحمداللہ کہو۔ عطاء کو خطا نہ بناؤ۔" باباجی کی بات اس کے کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔

آہٹ پر اس نے چونک کر دیکھا۔ اس کی ماں پاس کھڑی تھیں،

"ارے امی جان آپ کب آئیں۔۔؟؟" وہ اٹھ بیٹھا۔

"ابھی ابھی بس۔" وہ اس کے پاس بیٹھ چکی تھیں۔

"کب تک ہمیں سزا دو گے۔۔؟؟" اپنے بیٹے کی حالت پر وہ دکھی تھیں۔

"ارے ماں جی۔۔ کہا تو ہے آپ فکر نہ کریں میں ٹھیک ہوں۔"

"تمہاری ماں ہوں بیٹے اور تمہیں یوں خود سے بیگانہ ہوتا دیکھ کر تکلیف محسوس کرتی ہوں، اولاد تو آسانی سے کہہ دیتی ہے کہ فکر نہ کریں، پر ماؤں کے دل اتنے بڑے کہاں ہوتے ہیں جو فکروں سے آزاد ہو جائیں۔"

وہ کیا کہتا چپ رہ گیا تھا۔

"اپنی سٹڈی مکمل کرنے باہر کیوں نہیں چلے جاتے ہو۔۔؟؟"

"نہیں ماں جی مجھے کہیں نہیں جانا ہے۔"اس نے انکار کر دیا۔

"اچھا ویسے ہی کچھ دنوں کے لئے فاخرہ کے ہاں چلے جائو"

"کچھ دن باہر رہو گے تو ٹھیک ہو جائو گے۔"انہوں نے کنیڈا میں مقیم اپنی بہن کا کہا تو طلال نے بولا۔

"ماں جی جگہ بدلنے سے دل نہیں بدلتے ہیں۔"

"جانتی ہوں بیٹے۔

پر کوشش کی جاسکتی ہے نا۔اپنے لئے نہیں میرے لئے ہی مان جائو۔"

"اچھا ٹھیک ہے ماں جی میں سوچوں گا۔"

"جگ جگ جیو میرے پتر۔میں تمہارے لئے چائے بنا کر بھیجتی ہوں۔"اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"شاید دوریاں ہمارا مقدر ہیں اور ہماری کہانی میں طے ہے کہ ہم بچھڑ جائیں گے۔"ان کے جانے کے بعد طلال بڑبڑیا اور موبائل کو دیکھا۔

جو ہمیشہ کی طرح کی خاموش تھا۔

☆☆☆☆

"محبت کرنے والے رشتے نبھانے والے اگر چھوڑ کر چلے بھی جائیں تو ایک خلش ان کو واپسی کی راہوں پر لے کر آتی ہے۔وہ یہ سوچ کر پلٹ آتے ہیں کہ ہو سکتا ہے وہ بدل گیا ہو اسے میری ضرورت ہو وہ مجھے یاد کرتا ہو۔وہ خود کو مطمئن کرنے کے لئے طرح طرح کی دلیلیں دیتے ہیں۔

لیکن اکثر جب وہ پلٹتے ہیں تو سب کچھ ویسے کا ویسا ہی ہوتا ہے،وہی بے روخی بے اعتناعی ہوتی ہے وہی ستم ہوتے ہیں اور وہی درد ہوتا ہے۔وہ بار بار جاتے ہیں اور پھر لوٹ کر آتے ہیں کیوں کے انہیں اس رشتے سے محبت ہوتی ہے وہ اس رشتے کو نبھانا چاہتے ہیں۔وہ خود جھوٹی تسلیاں دیتے ہیں ہر بار اپنی عزت نفس کو روندتے ہیں۔اپنے اندر کے انسان کو مارتے ہیں،اپنی ذات کا گھونٹ دیتے ہیں۔اس لئے کے وہ آخری دم تک رشتا نبھانا چاہتے ہیں۔وہ رشتہ جس میں سوائے درد اور آنسوئوں کے اور کچھ نہیں ملتا۔

پر جو رشتے نبھانا چاہتے ہیں وہ یہ سب نہیں سوچتے ہیں۔وہ تعلق بچانے کے لئے اپنا سودا تک کر گزرتے ہیں اپنی انا،ضزبات خواہشات کو گروی رکھ لیتے ہیں۔

اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اتنی قربانیوں کے بدلے ان کے ہاتھ بس ایک خلش اور لاحاصل سی تھکن ہی آتی ہے۔

اور پھر یوں ہوتا ہے کہ ان روح بوسیدہ ہو کر جھڑنے لگتی ہے وہ اپنے ساتھ لڑی گئی طویل جنگ ہار جاتے ہیں۔

وہ اپنی شکست تسلیم کر لیتے ہیں۔"

وہ سانس لینے کو رکے اور پھر سانس روکے بیٹھے طلباء کو ایک نظر دیکھا اور بولے۔

"اگر زندگی میں کبھی کوئی ایسا ملے تو اسے کھونا مت۔"

"کیوں کے جو سب کچھ ہار کر اپنا سب کچھ لٹا کر چلے جاتے ہیں وہ پھر دوبارہ نہیں ملتے۔چاہے ان کو کتنا ہی پکارا جائے کتنی آوازیں دی جائیں،زندگی آپ کو بس ایک ہی ایسا انسان دے گی پھر دوبارہ اس جیسا ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا۔

مخلص اور رشتہ نبھانے والے جو لوگ ہوتے نا وہ کھڑکی میں آکر بیٹھی چڑیا کی طرح ہوتے اڑا دو گے تو دوبارہ نہیں ملیں گے۔"

"سر کیا ایسے لوگ ہوتے بھی ہیں۔۔؟؟"

"ہاں!زندگی میں ہمیں ایک بار ایسا انسان ضرور ملتا ہے جو ہمیں کسی مقصد کے طابع ہوئے بغیر چاہتا ہے۔پر اکثر لوگ اپنی انا اور بڑائی کے زعم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شاید وقتی جب ہم ایسے کسی انسان کو کھو دیں تو ہمیں فرق نہ پڑے لیکن ایک بات یقینی ہے کہ زندگی میں کسی نہ کسی موڑ پر وہ ہمیں یاد ضرور آتے ہیں۔

ہر وہ رشتہ جس میں سچائی ہو گی وقت ہمیں اس کی یاد اور قدر ضرور دلائے گا۔"

"اگر ہم کسی ایسے انسان کو کھو دیں تو پھر کیا کبھی دوبارہ اسے پایا نہیں جا سکتا ہے۔؟؟"زرشاہ نے پر سوچ نظروں انہیں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ممکن ہے اگر زندگی مہربان ہو تو۔ویسے تو جب ہم کسی کو پیچھے چھوڑ کر بہت آگے نکل آتے ہیں واپسی کی راہیں بدل جاتی ہیں۔زندگی کی سڑک ایسی نہیں ہوتی کہ جہاں سے شروع ہو آپ اگر لوٹ کر آئیں تو وہ اسی جگہ پر ختم ہو رہی ہو جہاں سے آپ نے شروعات کی ہو۔

زندگی صحرا کی طرح ہوتی ہے جس میں راستے بدلتے رہتے ہیں۔"

"کیا ہم پھر امید چھوڑ دیں۔۔؟؟"اس کے دل میں اٹھنے والا سوال کسی اور نے پوچھا تو وہ بغور انہیں دیکھنے گی۔

"امید نہیں چھوڑنی چاہئے۔"

"کبھی کبھی یوں ہوتا کہ خدا ہمیں اس تتلی کی طرح جھٹکا دیتا جو تیز ہوا میں اڑ رہی ہو۔ محض اس لئے جب وہ اڑ کر تاریکی میں جائے تو اسے خوشبو پھولوں اور رنگوں سی سجی روشنی کا اصل مفہوم سمجھ آئے۔ اور ہمیں سچے دلوں کی سمجھ آئے۔

روشنی کیا ہے ہم تب تک نہیں جان سکتے جب تک تاریکی میں نہ جائیں اسے پرکھیں نہ۔ تاریکی کے اندر رہ کر ہم روشنی کو بہترین انداز میں سمجھ سکتے ہیں۔

جس نے اندھیرے کا منہ نہیں دیکھا وہ روشنی کی سچائی کو کبھی نہیں پا سکتا ہے۔

تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہمیں کبھی کسی رشتے سے دور کر کے سمجھایا جاتا ہے کہ وہ کس قدر قیمتی اور انمول ہے۔

اور جب ایسا ہوتا ہے تو ہمیں وہ رشتہ لوٹا دیا جاتا ہے واپس اگر ہم سمجھ جائیں تو ورنہ جب بہت دیر ہو جائے زیادہ فرق نہیں پڑتا ہے کہ کوئی لوٹ کر آپ کے پاس آیا ہے یا آپ کو کسی کے پاس گئے ہیں۔

یہ صفت بس خدا کی ہے کہ وہ اپنے بندے کے لوٹ آنے کا ہمیشہ انتظار کرتا ہے۔

پر سر کچھ لوگ ہمیں بھی تو نہیں سمجھتے ہیں۔

ہاں ایسا بھی ہوتا ہے۔

اصل میں انسان 'انسان' کو سمجھنے کے بارے میں ہمیشہ غلط فہمی کا شکار رہا ہے۔"

گھڑی نے پریڈ ختم ہونے کا اعلان کیا تو انہوں عینک کو اپنے چہرے پر درست کیا اور پھر بولے۔

"کل سے یونیورسٹی کی چھٹیاں ہیں اور کچھ کلاسس ٹور پر جا رہی ہیں سو میں امید کرتا ہوں کہ آپ کہی سنی باتوں کو ایک مرتبہ دل میں ضرور دہرائیں گے۔ اور یاد رکھیں"

وہ باہر نکلے تو پتا نہیں کیا سوچ کر زرشاہ ان کی پیچھے لپکی۔

"سر کیا ان چھٹیوں میں بھی آپ کو مل سکتے ہیں۔۔؟؟" وہ چلتے چلتے رکے۔

"ہاں کیوں نہیں۔" دھیمی مسکراہٹ سے انہوں نے سر ہلایا اور آگے بڑھ گئے اور وہ ان کی پیٹھ کو دیکھتے ہوئے نجانے کیا سوچ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

"ویری گڈ۔ میں سوچ رہی تھی کہ اپنی بیسٹ فرینڈ کے بغیر کیسے ٹور انجوائے کروں گی شکر ہے تم مان گئی اور میرے ساتھ چل رہی ہو۔" تحریم خوشی سے کہہ رہی تھی، وہ کینٹین میں بیٹھے تھے۔

"ہاں یار! بس سوچا کچھ دن اپنے ساتھ گزاروں۔"

"ھاھاھا۔۔واہ واہ آج تو زرشاہ پروفیسر کی طرح باتیں کر رہی ہے۔"تحریم نے قہقہ لگایا۔

"ارے ایسا کچھ نہیں۔اچھا یہ بتائو کتنے لوگ ہیں۔۔؟؟"

"کافی سارے ہیں خوب انجوئے کریں گے ہم سب۔یونیورسٹی کا آخری سال ہے۔پھر کون کسے ملے کون جانے۔"تحریم اسے جواب دیتے ہوئے اداس ہوئی تھی۔

"ارے ملنے والے مل ہی جاتے ہیں اور بچھڑنے والے بچھڑ جاتے ہیں۔"زرشاہ نے کہا اور پھر بولی

"کب جا رہے ہیں۔۔؟؟"

"اگلے ہفتے کو ان شاءاللہ۔"

"اچھا سنو میرے چچا کی شادی بھی ہے تم ضرور آنا"زرشاہ کو اچانک یاد آیا۔

"ہاں تم نہ بھی بلاتی تو بھی میں نے آنا تھا۔"تحریم نے حسب عادت قہقہ بلند کیا تو وہ بھی ہنس دی۔

"اچھا تم ٹور کی تیاری کر لو میں تمہیں بتادوں گی کب جانا ہے۔"تحریم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔"زرشاہ نے سر ہلایا۔

"اوکے اب میں چلتی ہوں ملتے ہیں پھر۔"زرشاہ نے بیگ سنبھالا اور باہر نکل آئی۔۔

باہر نکلتے ہوئے اس نے پرفیسر حماد کو دیکھا جو لان کے ایک گوشے میں بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔

"جانے اس جگہ میں کیا خاص ہے جو وہ یہاں بیٹھے رہتے ہیں۔"اس نے سوچا تھا

☆☆☆☆☆

آج یونیورسٹی خاص مقصد کے لئے آئی تھی۔اس کے چھوٹے چچا کی شادی تھی اور وہ پرفیسر حماد کو اس میں شریک ہونے کا دعوت نامہ دینا چاہتی تھی۔

سٹاف روم میں جب وہ گئی تو پتا چلا پروفیسر باہر لان میں ہیں۔

وہ جانتی تھی کہ کہاں بیٹھے ہوں گے کلاس میں آتے جاتے وہ اکثر ان کو لان کے ایک گوشے میں بیٹھے دکھائی دیتے تھے۔

جب سے وہ یونیوسٹی میں آئے تھے ہمیشہ اس جگہ لکڑی کے بینچ پر بیٹھے دکاھئی دیتے تھا پھولوں کی کیاریوں کے پاس جن سے کچھ دور ایک درخت تھا۔

وہ ان کے پاس پہنچی تو وہ کسی سوچ میں کھوئے ہوئے تھے۔

"سر۔!"زرشاہ نے آہستہ سے انہیں پکارا تو وہ چونکے۔

"کیسی ہو لڑکی۔۔؟؟" وہی دھیما لہجہ۔

"سر میں آپ کو اپنی چچا کی شادی پر انوائٹ کرنے آئی ہوں۔" اس نے اپنے آنے کی وجہ بتائی تھی۔

وہ مسکرائے اور بولے،

"میں کسی بھی قسم کے فنکشن اٹنڈ نہیں کرتا ہوں۔"

"کیوں سر۔۔؟؟" وہ کچھ مایوس ہوئی تھی۔

"یہ نہیں کہ میں مردم بے زار انسان ہوں بس ہجوم میں رہنا شور مجھے کبھی پسند نہیں آتا ہے۔ یہ گویائی اور بولتے رہنا انسان کو بہت تھکا دیتا ہے خاموشی میں بڑی راحت ملتی ہے۔" وہ دور کہیں دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

کچھ دیر ان میں خاموشی رہی پھر وہ بولی۔

"سر آپ شروع سے ایسے ہیں۔۔۔؟؟"

"وہ ہنسے۔۔ ایسے کیا مطلب بھئی۔۔؟؟"

"وہ میرا مطلب ہے کہ ایسے خاموش سے۔" ان کے یوں ہنسنے پر وہ گڑبڑا گئی تھی۔

"نہیں میں کافی باتونی ہوا کرتا لیکن پھر۔" انہوں نے بات ادھوری چھوڑی تو وہ انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"پھر ایسا بن گیا۔" انہوں نے جملہ مکمل کیا۔

"سر ایک سوال اور پوچھوں۔۔؟؟"

اس نے ہچکچاتے ہوئے انہیں دیکھا۔ بہت دنوں سے وہ ان کچھ پوچھنا چاہتی لیکن یہ سوچ کر چپ رہتی کہ شاید انہیں برا نہ لگ جائے۔

"ہاں کیوں نہیں۔" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"وہ سر میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں۔" وہ چپ ہو گئی تھی۔۔

"ہاں بولوں کیا پوچھنا چاہتی ہو۔۔؟؟"

"سر کیا آپ نے کبھی محبت کی۔۔؟؟" وہ سوال کر دور دیکھنے لگی تھی۔

انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی کچھ طویل ہوئی تو اسے لگا وہ ناراض ہوئے ہیں لیکن تب وہ بولے۔

"ہاں کی تھی۔"

"کس سے۔۔۔؟؟"

"اس یونیورسٹی کی ایک لڑکی تھی۔"

وہ کچھ اور سوال پوچھنا چاہتی تھی لیکن پھر اس ارادہ ملتوی کر دیا اور ان کے ہاتھ شادی کا کارڈ پکڑاتے ہوئے بولی۔

"میں آپ کا انتظار کروں گیں سر آپ آئیں گے تو مجھے اچھا لگے گا۔" وہ کارڈ دیکر واپس مڑ آئی تھی اور وہ خاموشی سے اسے جاتا دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

"یہ تحریم کی دوست ہے۔" طلحہ نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے کہا،

"اس سے پہلے تو تحریم کے ساتھ نہیں دیکھا اسے۔" وہ بڑبڑایا۔

تحریم نے طلحہ کو دیکھ کر دور سے ہاتھ ہلایا اور پھر اپنی دوست کو ساتھ لئے ان کے پاس آگئی۔

"یہ طلحہ ہیں اور یہ احمد ہمارے کزنز۔ اور یہ میری دوست ہے۔" تحریم نے تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

"ہاں ان کو جانتی ہیں۔" اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے وہ تحریم سے مخاطب تھی۔

"ہیں۔ وہ کیسے۔۔؟"

"یہ مجھ سے بک شاپ میں ٹکرائے تھے۔"

"غلطی سے۔" اس نے تصیح کی۔

"کیا خبر غلطی سے یا۔" اس نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔

"مجھے فضول کام کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں۔" وہ تپا۔

"کم آن گائز۔ یہ ہر کسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ لڑو مت اب۔" طلحہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"یہ ہمارے ساتھ چلیں گے۔۔؟" وہ تحریم سے مخاطب تھی۔

"ہاں میں ساتھ چلوں گا۔ آپ کو مسئلہ ہے تو نئی بس ہائر کر لیں۔" اس نے تنک کر تحریم سے پہلے جواب دیا تو اس نے ہونٹ بھینچ لئے۔

"باقی سب کدھر ہیں۔۔؟؟" طلحہ نے ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"سیمی اور عکاشہ آرہی ہیں فراز کو کوئی ایمر جنسی کام تایا نے سونپ دیا وہ صبح ہی لاہور کے لئے نکل گیا تھا۔" فاریہ نے دوسرے کزنز کا بتایا تھا۔

ٹھیک ہے طلحہ نے سر ہلایا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

"پتا نہیں کیسے کیسے لوگ ہیں یہاں۔" زرشاہ نے مڑتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا۔

احمد نے سن لیا تھا۔ پر وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا اور خاموشی سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

"یہ ٹور کچھ زیادہ اچھا نہیں ہوگا۔" اس نے دل میں سوچا ضرور تھا۔

☆☆☆☆

"بابا شاید میں کچھ دن یہاں نہ آسکوں امی کی خواہش ہے کہ میں کچھ دن باہر رہوں اس لئے وہ مجھے کنیڈا خالہ کے پاس بھیج رہی ہیں۔" درگاہ سے اٹھتی دعائوں کے نادیدہ سائیوں کو دیکھتے ہوئے طلال کہہ رہا تھا۔

"موسم بدل رہا ہے پتر۔ ساون آرہا ہے درگاہ کی چھت کمزور ہو رہی ہے اسے مرمت کی ضرورت ہے۔"

بابا جی شاید اس کی بات سنی ہی نہیں تھی یا سن کر نظر انداز کر دی تھی وہ سمجھا نہیں۔

"بابا میں کروادوں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔" طلال نے اپنی خدمت پیش کی تو بابا کے چہرے پر ایک مسکراہت کھل اٹھی۔

"میرے لئے دعا کریں کہ سفر آسان رہے۔" طلال نے دوبارہ کہا تھا۔

"تیرا سفر تو سب سے آسان رہا ہے پتر اور آگے بھی آسان رہے گا۔ دعائوں سے کیا ہوتا ہے یہاں عمل ہی سب طے کرتے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں کون سا سفر۔۔؟؟" طلال نے الجھ کر انہیں دیکھا۔

"اپنی ذات کے اندر اپنی پہچان کا سفر۔ عشق کا سفر"۔

"کیسا سفر بابا۔ منزل خود کہہ رہی ہے کہ تم مجھے کبھی پا نہیں سکتے ہو، اب تو بس سفر لاحاصل ہے۔" طلال کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"کیا حاصل ہے اور کیا لاحاصل اس کا فیصلہ ہم تم نہیں کر سکتے ہیں، کبھی کبھی جسے ہم حاصل سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ فریب ہوتا ہے اور جو لاحاصل ہوتا ہے وہی حاصل ہوتا ہے۔

مایوسی کیوں ہو گئے۔ ابھی تو عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔"

"اب مزید امتحان نہیں بابا جی۔ تھکن روح میں اتر آئی ہے۔ اب بس اور نہیں۔" طلال نے تھکن سے کہا تو بابا کہنے لگے۔

"پتر۔ زمینی تعلیم میں امتحان دئے بغیر کوئی ڈگری نہیں ملتی ہے بڑی محنت کر کے بڑی توجہ سے پرچے دیکر پھر کوئی ڈگری ملتی ہے۔ عشق کی ڈگری بھی بڑی مشکل سے ہاتھ آتی ہے بڑی محنت اور بڑی ریاضت کے بعد انسان کو عشق ملتا ہے۔ جب تک تپیسا کی آگ میں جلا نہ جائے تب تک گیان نہیں ملتا ہے اور گیان ملتا ہے دھیان سے اور دھیان جب سچی طرف ہو تو بس خیر ہی خیر ہے۔

ان باتوں کو رہنے دو۔"

"اچھا بابا جی میں چلتا ہوں۔ میں بندے بھیج دوں گا آپ انہیں جو کام بتائیں گے ویسے کریں گے۔" طلال جانے کے لئے اٹھا تو وہ اس کے ساتھ باہر تک آئے۔

"ہر چیز کو ایک مدت کے بعد مرمت کی ضرورت پڑتی ہے ورنہ وہ جگہ جگہ سے گر کر ادھڑ کر بدنما ہو جاتی ہے اسی طرح ایمان اور محبت کو بھی مرمت کرتے رہا کرو تا کہ وہ بے عیب اور خوبصورت دکھائی دے۔" وہ کہہ رہے تھے۔

وہ ان کی بات پر چلتے چلتے رکا۔

"ایمان اور محبت کو کیسے مرمت کیا جاتا ہے بابا۔۔؟؟"

"محبت کی مرمت یہ ہے کہ محبوب کو بار بار یاد دلایا جائے نئے طریقوں سے اعتراف محبت کیا جائے۔ اور ایمان کی مرمت یہ ہے کہ جب کبھی قدم بہکیں انسان موت کو یاد کرے کھنکتی مٹی کو ہاتھ میں لیکر اپنی حقیقت پر غور کرے۔" وہ گاڑی کے پاس پہنچ گئے تو طلال نے ان سے ہاتھ ملایا۔

"میں جانے سے پہلے ایک بات ضرور یہاں آئوں گا بابا۔" گاڑی دھوپ اڑاتی ہوئی باہر نکلی تو بابا رحیم دل میں بولے۔

"جانے والے چلے جاتے ہیں اور تم نے ویسے بھی دور چلے جانا ہے۔"

☆☆☆☆☆

گاڑی جانی پہچانی سڑکوں پر سفر کرتے ہوئے ہائی وے پر آچکی تھی سب خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

وہ ونڈو سیٹ پر بیٹھا باہر دیکھ رہا تھا۔

بڑے سائین بورڈ بل بورڈ، سرخ کے کنارے لگے کھمبے، پیدل راہ گیر، اڑتے پرندے، درخت، ہر چیز پیچھے چھوٹ رہی تھی۔

اس نے تھک کر آنکھیں موند لوں۔

زندگی بھی اس بھری ہوئی بس کی طرح تھی اور ہم سب زندگی کی اس بس میں سوار مسافر۔ کچھ کو منزل پر اتار دیتی تھی تو کہی راستے میں تھک کر اتر جاتے تھے۔ اور ایسے ہی سب کچھ پیچھے چھوٹ جاتا تھا۔ رشتے تعلق۔ دکھ درد خوشی۔ ہر چیز جس کا سٹاپ آتا وہ خاموشی سے اتر جاتا اور دوسرا کوئی مسافر اس کی سیٹ سنبھال لیتا۔

اس نے آنکھیں کھول کر طلحہ کو دیکھا جو موبائل پر مصروف تھا۔

کبھی کبھی زندگی کی اس بس پر آپ سیٹ فیلو اجنبی ہوتا ہے۔ آپ اس کے ساتھ سفر کرتے ہیں اور ہمیشہ اجنبی ہی رہتے ہیں

،بہت کم لوگوں کو شاید ایسا سیٹ فیلو ملتا ہے جو کچھ دیر بعد شناسا بن جاتا ہے۔ورنہ ساری عمر ایک ساتھ بیٹھے اجنبیت کی دیوار کو دیکھتے رہتے ہیں۔

اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

بس بھاگے جا رہی تھی۔

زندگی کی بس کی طرح، فرق اتنا سا تھا کہ یہ بس ان کو اٹھا کر بھاگ رہی تھی اور زندگی کی بس ہماری خواہشات اور خوابوں سے لدی بھاگتی رہتی تھی۔تب تک جب تک ہمارا اسٹاپ نہیں آتا اور ہم اتر کر اس حسرت بھری نظروں سے اپنی نگاہوں سے دور ہوتا نہیں دیکھتے۔

☆☆☆☆☆

"زرشاہ کہاں ہے۔۔؟؟"وہ باہر جانے سے پہلے اسے ملنا چاہتا تھا۔اس لئے وہ اس کے گھر آیا تھا۔

"وہ تو یونیورسٹی ٹور پر بالائی سرحد گئی ہے۔"فائزہ نے اسے بتایا تو وہ مایوس ہوا۔

چائے پی کر ممانی سے کچھ دیر باتیں کرتا رہا اور پھر اٹھ آیا۔

اب وہ گاڑی کو سڑک کے کنارے کھڑا کئے یادوں میں کھویا ہوا تھا، ٹھیک ایسے ہی اسے سکالر شیپ ملی تھی اور وہ باہر جا رہا تھا ۔اور زرشاہ سخت خفا تھی۔

"دیکھ وہاں ننگی پونگی فرنگنوں میں جا رہے ہو تم۔خبر دار جو کسی کو دیکھا۔آنکھیں نوچ لوں گی تمہاری۔"وہ غصے سے کہہ رہی تھی۔

"توبہ توبہ میں شریف انسان ہوں ایسا سمجھتی ہو تم مجھے؟؟؟"طلال معصوم بنا ہوا تھا۔

"سب جانتی ہوں۔مردوں کا کیا پتا کب کس پر دل آ جائے ان کا اور کب کوئی دل سے نکل جائے۔"اسے گھورتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

"دیکھو ہمارا دل تو ایک ہی تھا جو اب ہمارے پاس نہیں ہے اور جب دل ہی نہیں تو کسی پر دل آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔"

"ہونہہ۔۔کوئی ایک دل تھوڑی ہوتا تم مردوں کا۔"اس نے منہ بنا کر کہا تو طلال قہقہ لگا کر ہنسا۔

"دیکھا کیسے دانت نکل رہے خوشی سے۔خوب سمجھتی ہوں دل میں لڈو پھوٹ رہے ہوں گے تمہارے تو اور بن ایسے رہے جیسے جانا نہیں چاہتے ہو۔"طلال نے اس کا ہاتھ پہلی مرتبہ ارادی طور پر پکڑا تھا۔

"جان سے جسم دور کہاں جانا چاہتا ہے زری۔ میں جا رہا ہوں پر میرا دل اور میری سانسیں یہ تو تمہاری مٹھی میں قید ہیں۔ تم دور ہو گی پر یقین رکھو میری آنکھوں میں تمہارا چہرہ ہو گا۔ میری باتوں میں تمہارا ذکر ہو گا۔ جانتی ہو محبت میں فاصلے اہمیت کہاں رکھتے ہیں، یہ تو روح کا سفر ہے۔"

"تم ہمیشہ میرے پاس ہوتی ہو جب تم نہیں ہوتی ہو۔ میں تمہیں تمہارے بعد سنتا ہوں۔۔ تمہارے بغیر تمہیں دیکھتا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ تمہیں چاہنا ہی میری زندگی کا مقصد ہے۔" طلال کے لہجے میں محبت ہی محبت تھی۔

"افف کلائی چھوڑو میری۔" زرشاہ کی آواز کانپ گئی۔

"چھوڑنے کے تھوڑی نا پکڑی ہے۔ یہ ہاتھ تو میرے ہاتھ میں ہمیشہ رہے گا، اور مجھے یقین ہے یہ ہاتھ میرا ہاتھ پکڑ کر جنت تک ساتھ سفر کرتا رہے گا۔"

"پلیز چھوڑو ہاتھ۔" اب اس نے، منت بھرے لہجے میں کہا تو طلال ہاتھ چھوڑ دیا۔

"ہونہہ دیکھا کیسے ہاتھ چھوڑا ہے۔ بڑی بڑی باتیں کرنا ہی آتی ہیں مردوں کو۔" وہ شرارت سے بولی تو طلال نے غصے سے اسے دیکھا۔

"اچھا سنو مجھے میسج کرتے رہنا اور وہاں جا کر بھول نہ جانا۔ یاد رکھنا ہمیشہ۔"

"یاد اسے کرتے ہیں جو بھول جائے۔ اور تم تو میری نسوں میں خون کے ساتھ بہتی ہو۔ سانس لینا بھی کوئی بھول سکتا ہے کیا۔۔؟؟" کسی گاڑی نے ہارن دیا تو طلال چونکا اور اپنے ہاتھ کو دیکھا۔

"کمزور لمحوں میں انسان کبھی کبھار ایسی بات کرتا ہے کہ بہت کچھ کھو دیتا ہے۔" اسے وہ واقعہ یاد آیا جس کے بعد سب کچھ بدل گیا تھا۔

☆☆☆☆☆

بس ہوٹل کے سامنے رکی اور وہ سفر کی مشقت چہرے پر سجائے نیچے اتر آیا۔ باقی سب اس سے پہلے ہی اتر چکے تھے۔ اردگرد نگاہ ڈالتے ہوئے اس کی نظر زرشاہ پر گئی۔

جو انگڑائی لیتے ہوئے ایک ہاتھ منہ پر رکھے جمائی روک رہی تھی۔ منظر میں کچھ خاص نہیں تھا۔

لیکن کچھ تو ایسا تھا کہ احمد کے قدم چلنا بھول گئے تھے۔

اچانک ان کی نظریں ملیں تو احمد دوسری طرف دیکھنے لگا۔

جب وہ فریش ہو کر ٹیبل پر پہنچا تو طلحہ شمالہ علاقہ جات کا نقشہ پھیلائے بیٹھا تھا۔

ہم ایک گھنٹے کے بعد مانسہرہ میں داخل میں ہو جائیں گے اس کے بعد آگے ہماری منزل ناران جھیل سیف الملوک اور خوبصورت جگہیں ہوں گیں۔

وہ نقشے پر پین سے نشان ڈالتے ہوئے سب کو بتا رہا تھا۔

وہ خاموشی سے ان کے پاس بیٹھا تھا۔

کھانا آنے تک وہ سفر اور ان جگہوں پر بات کرتے رہے تھے۔

اس نے کریلا اپنی پلیٹ میں نکالا تو زرشاہ ہنس دی تھی۔

"کیا ہوا؟" ساریہ نے حیرانگی سے پوچھا باقی سب بھی اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

"ان کو کریلا پسند ہیں اس لئے بہت کڑوے ہیں۔" اب کے سب ساتھ ملکر ہنسے تو وہ مسکرا دیا۔

"چلو اب تم دنوں دوست بن جائو سفر اچھا کٹے گا۔۔" طلحہ نے موقع دیکھتے ہی ان کی صلح کروانی چاہیئے۔

سیمی، تحریم اور عکاشہ نے طلحہ کو دیکھا تو اس نے ہنستے ہوئے ساری بات بتا دی۔

"ہاں ہاں۔۔ ایسے نہیں چلے گا صلح کریں۔" ان تینوں نے بھی پر زور انداز میں کہا۔

"میں ان سے ناراض نہیں ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تو سب نے زرشاہ کی طرف دیکھا۔

"میں کافی ناراض ہوں لیکن اب سب کہہ ہی رہیں تو ٹھیک ہے۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" ساریہ نے تالی بجائی۔

کھانے کھانے کے دوران ماحول خوشگوار رہا اور جب وہ واپس بس میں سوار ہو رہے تھے تو شمال کی طرف سے کچھ بادل آسمان پر اکھٹے ہو رہے تھے۔

شاید اس نئے تعلق کی ابتداء انہیں بھی پسند آئی تھی اور وہ بارش کی صورت میں اس میں شریک ہونا چاہتے تھے۔

☆☆☆☆☆

"بابا ایک بات تو بتائیں۔۔؟؟"

"ہاں پوچھ پتر۔"

"کیا تاریخ میں کسی نے کسی کو اس شدت سے چاہا ہے کوئی ایسی روایات یا حکایت کہ کسی نے عورت کی محبت میں سجدے کئے ہوں یا ایک عورت کو خدا سے مانگا ہو۔۔؟؟" طلال کی بات سن کر بابا جی مسکرائے اور بولے۔

"ہاں بلکل۔ محبت تو صدیوں پرانا جذبہ ہے جو مختلف شکلوں اور صورتوں میں ہمیشہ رہا ہے۔"

"مجھے بتائیں کس نے کسے مانگا اور کیا ملا پھر۔۔؟؟"

اس کی بات سن کر باباجی کے چہرے پر سوچ کی لکیریں پھیل گئیں اور وہ بولے۔

"اچھا سنو تمہیں ایک واقعہ سناتا ہوں۔"

پھر وہ بولنے لگے۔

"حضرت محمد بن عبید کے پاس ایک لونڈی جاریہ تھی جسے انہوں نے فروخت کر دیا۔ لیکن وہ ان کے دل سے نہ نکلی۔

وہ اپنے بھائیوں کو لیکر اسے کے پاس گئے جسے لونڈی فروخت کی تھی اور اسے کہا۔

میں یہ عقد فسخ کرنا چاہتا ہوں اور قیمت سے اوپر مزید بیس دینار تمہیں دیتا ہوں تم میری لونڈی مجھے واپس کر دو۔" مالک نے انکار کر دیا۔

وہ واپس لوٹ آئے۔

"لیکن اس کی محبت نے حضرت کی یہ حالت کر دی وہ کھانا کھانا چاہتے تھے پر کھا نہیں سکتے تھے۔ انہیں کچھ نہیں سمجھ آ رہی تھی کہ کیا کریں۔

ادھر اس کے مالک کو یہ خدشہ ہوا کہ حضرت دوبارہ لونڈی مانگنے آئیں گے اس لئے وہ اسے لیکر مدائن چلا گیا۔"

حضرت محمد بن عبید فرماتے ہیں۔

"میں یہ جب یہ تکلیف دہ معاملہ دیکھا تو اس لونڈی کا نام اپنے ہاتھ پر لکھا اور قبلہ رو ہو کر بیٹھ گیا۔

جب اس کی یاد ستاتی تو ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر اپنے رب سے سوال کرتا۔

یاسیدی ھذہ قصتی

اے میرے رب! میری یہ حالت

دوسرے دن کسی نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا جب میں نے پوچھا کون تو جواب آیا۔

میں اس لونڈی کا مالک۔

میں نے دروازہ کھولا اور اس کے پاس گیا تو وہ کہنے لگا۔

خذ الجاریۃ بارک اللہ لک فیھا

یہ لونڈی پکڑو خدا تمہیں اس میں برکت دے۔

یہ کہہ کر وہ جانے لگا تو میں نے اس سے کہا۔

اپنی اصل رقم اور منافع تو لیتے جائیو۔

اس نے درہم و دینار لینے سے انکار کیا تو میں نے اس سے پوچھا ایسا کیوں۔۔؟؟

تو اس نے جواب دیا۔

رات ایک شخص میرے خواب میں آیا اور مجھے کہا۔ یہ لونڈی ابن عبید کو واپس کر دو خدا اس کے بدلے تمہیں جنت عطا کرے گا۔"

باباجی حکایت ختم کی تو طلال کے چہرے پر رونق تھی۔

"باباجی میں بھی اسے ایسے مانگوں تو کیا وہ مجھے مل جائے گی۔۔؟؟"

"پتر ابن عبید کا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہیں۔ تم مانگو وہ تمہیں عطا کرے گا۔"

"میں ایسے ہی مانگوں گا اب۔" طلال نے خوشی سے کہا اور اجازت لیکر حجرے سے باہر نکلا۔

بابا نے اس کے چہرے پر خوشی دیکھ لی تھی۔

"واہ مولا تیرے بندے بھی خوب ہیں تجھ سے تیرا سوال نہیں کرتے بلکہ اپنا اور بندوں کا سوال کرتے ہیں اور تو عطا کرتا ہے جب کہ تو دلوں میں اپنی محبت دیکھنا چاہتا ہے۔

"تیرے راز نرالے ہیں۔۔تجھے تیرے علاوہ کون جانے ہے۔"

باباجی تسبیح کے دانوں کو گراتے ہوئے دل ہی دل میں بندے کی سوچ پر حیران ہو رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

گاڑی مانسہرہ میں داخل ہوئی تو اس نے اسے روکنے کا کہا۔

"یہاں کیوں رکنا ہے۔۔؟؟" طلحہ نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

"یہاں آگے کچھ تختیاں ہیں جن کے بارے میں نے پڑھا تھا کے قدیم ہیں بہت۔" بس رکی تو وہ نیچے اتر آیا۔

"کیوں روکی گاڑی۔۔؟؟" سارہ یہ سوئی ہوئی تھے گاڑی روکنے پر جاگتے ہی اس نے سوال کیا۔

"موصوف کے اندر موجود قدیم روح بیدار ہو گئی ہے یہاں کوئی پرانے تختیاں نصب ہیں جن کو دیکھنا چاہتے۔" طلحہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ اس دوران وہ ایک راہگیر سے جگہ کا معلوم کر چکا تھا۔

"یہاں سے چند قدم آگے ہیں اوپر کی طرف۔" اس نے کیمرے کو چیک کرتے ہوئے کہا تو سب اس کے ساتھ ہو لئے۔

کچھ دیر بعد وہ پتھر کی سلوں میں کھڑے تھے جہاں پر کچھ قدیم تختیاں آویزاں تھیں۔

باقی سب دور کھڑے رہے اور وہ ان کی تصاویر نکالنے لگا۔

"یہ کتنی پرانی ہیں۔۔؟؟" فاریہ اس کے پاس آکھڑی ہوئی تھی۔

"ہزاروں سال پرانی ہیں بدھ مت کا ایک بڑے مہاراجہ 'اشوک' نے یہ نصب کیں تھیں۔"

"ان پر کیا لکھا ہے یہ زبان ہی عجیب ہے۔؟" وہ بغور انہیں پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یہ قدیم سنسکرت زبان میں لکھیں گئیں ہیں جو مہاراجہ اشوک نے آنے والے حکمرانوں کے لئے لکھیں تھیں کہ وہ سلطنت کے انتظام کو کیسے چلائیں عوام کے ساتھ کیسا برتاؤ کریں۔"

"تب تو یہ جگہ کافی قدیم ہوئی۔" وہ ارد گرد دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں یہ جگہ کافی پرانی ہے۔شاہراہ ریشم اور اس کے ارگرد کی جگہ دنیا کا قدیم ترین تجارتی 'روٹ تھا'۔" وہ پکچرز نکال کر اب اسے دیکھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے اب چلتے ہیں۔" وہ جانے کے لئے پلٹی تو وہ بھی اس کے ساتھ چلنے لگا۔

"بس کو شہر میں بھی روکنا کچھ دیر۔" وہ طلحہ کے پاس پہنچتے ہی وہ بولا۔

"کیوں اب وہاں کیا ہے۔۔؟؟" طلحہ نے پوچھا تو فاریہ بھی اسے دیکھنے لگی۔

"وہاں سکھوں کی ایک پرانی عبادت گاہ جس میں آج کل پبلک لائبریری ہے۔"

"ٹھیک ہے اب چلو۔"

سب بس میں سوا ہو چکے تو وہ کیمرے میں قید کی گئی تصویروں کو دیکھنے لگا۔

کسی نے سچ ہی کہا تھا۔

تاریخ کبھی نہیں مرتی۔

☆☆☆☆☆

بس درختوں کے سائے میں سفر کر رہی تھی وہ بالاکوٹ کے قریب تھے۔سرد ہوا کھڑکیوں سے تواتر سے اندر آرہی تھی راستے میں وہ ایک دو تصویریں نکالنے کے لئے رکے تھے اور احمد نے نہ چاہیء ہوئے پتا نہیں کیوں فاریہ کی کچھ تصویریں کھینچ لیں تھیں۔

بالاکوٹ سطح سمندر سے کافی بلند ایک خوبصورت گاؤں تھا۔چاروں طرف فلک بوس برفیلی پہاڑیاں اور درمیان میں اچھلتا کودتا دریا کنہار اس کی دلکشی میں اضافہ کر رہا تھا۔

بس مطلوبہ ہوٹل کے سامنے رکی تو سب نیچے اتر آئے۔لمبے سفر کی تھکان ان کے چہروں سے ہویدا تھی۔

سورج اپنا آدھا سفر طے کر آیا تھا۔

سب اپنے اپنے کمروں میں جا کر فریش ہو جائیں پھر آگے کا پروگرام طے کرتے ہیں۔

لڑکیوں نے ایک ہی کمرے میں رہنے کا اعلان کیا تھا۔

سو وہ اپنے کمروں کو چلی گئیں اور وہ دونوں اپنے کمروں میں۔

طلحہ سو گیا تھا۔

نہا کر احمد کی طبعیت کافی فریش ہو چکی تھی اس لئے اس نے ایک کپ کافی پینے کا ارادہ کیا اور جب ویٹر کافی کا کپ اسے پکڑا گیا تو وہ اسے لیکر باہر ہوٹل کے ٹیرس پر آ گیا۔

نیچے ہی دریا اپنی تمام تر طغیانی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں اس ہوٹل میں رکنے کی چوائس پر طلحہ کو داد دی۔

کسی آہٹ پر اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ زر شاہ تھی۔

"آپ نے آرام نہیں کیا۔۔؟؟"وہ اس سے مخاطب تھی۔

"نہیں۔میں کافی فریش ہوں۔"

کچھ دیر ان دونوں کے بیچ دریا کی لہریں شور مچاتی رہیں۔

"مجھے بہتے پانی کو سننا بہت پسند ہے۔"ریلنگ پر جھکے ہوئے وہ دریا میں جھانک رہی تھی۔

ہاں پانی کا ساز روح میں بالیدگی پیدا کرتا ہے۔مجھے بھی بہتے پانی اور چھتری پر گرتی بارش کی بوندوں کا سننا بہت پسند ہے۔دنیا کوئی میوزک ان دونوں آوازوں جیسا دلکش نہیں ہوتا۔

وہ کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے بولا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

تحریم نے اس آواز دی تو وہ پلٹ کر چلی گئی۔

اور وہ کافی کے چھوٹے چھوٹے سیپ لیتا ہوا دریا کے ساتھ ساتھ بہت دور تک بہنے لگا۔

☆☆☆☆☆

شہر میں اک خالی پن کا احساس ہو رہا تھا۔سب کچھ تھا مگر وہ نہیں جس سے طلال کا دل بندھا ہوا تھا۔

وہ گاڑی لیکر نکلا اور اس پارک میں جا پہنچا جہاں وہ محبت بھرے دنوں میں ملا کرتے تھے۔محبت کے وہ پل آسمان میں بادلوں

کی طرح تیزی سے گزر گئے تھے اور پیچھے سوگار یادوں کے سوا کچھ نہیں بچا تھا۔

کہا جاتا ہے وقت مرحم ہر زخم بھر دیتا ہے لیکن بس کہا جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کچھ زخم کبھی نہیں بھرتے ہیں۔ ان سے ہمیشہ خون رستہ رہتا ہے کچھ زخموں کو وقت کرید کرید کر ناسور کر دیتا ہے وہ زخم روح کے ہوتے ہیں۔ جب ایک بار روح گھائل ہو جائے تو کوئی مرہم کوئی دوا اور دعا اثر نہیں کرتے ہیں۔ کچھ امراض کی طرح کچھ زخم لاعلاج ہوتے ہیں جن کے ساتھ جینا پڑتا ہے۔ زندگی کی آخری سانس تک۔

محبت شفاء بھی ہے

محبت عطاء بھی ہے

پر جو ملے ہم کو

محبت سزا بھی ہے

محبت عطاء ہے

محبت ادا بھی ہے

گر نہ ملے یہ ہمیں

محبت اذیت ہے

محبت خطا بھی ہے

طلال نے ارد گرد دیکھا۔

برہنا درخت سبز لابس زیب تننے کو تیار تھے۔ کیاریوں میں نوخیز کلیاں بہار کی آہٹ پر چونک اٹھی تھیں اور خوابیدہ نظروں سے چار سمت دیکھی جا رہی تھیں۔

کبھی کبھی سانسیں کس قدر بھاری محسوس ہوتی ہیں۔ طلال یہ محسوس کر رہا تھا۔

ہجر کے دن زندگی میں زمار نہیں ہونے چاہیے۔ ان دنوں آپ زندگی نہیں بس موت کو جیتے ہیں اور موت جینا بڑا ہی اذیت ناک ہوتا ہے۔

قطرہ قطرہ ہجر کا زہر اپنے اندر اتارنا کس قدر دردناک ہوتا ہے یہ تو وہی جانتے ہیں جو ہجر کی آگ میں جلتے ہیں۔

خوبصورت اور شاداب نظر آنے والے درخت کٹ تنے سے پھل اور پتے اپنی زندگی کا امرت کشید کرتے ہیں اور وہ نہیں جانتے ہیں ایسے وہ درخت کو زندگی سے محروم کر رہے ہوتے ہیں،

بلکل ایسے ہی کچھ انسان آپ سے نمو پا کر پنپ کر آپ کو اکیلا چھوڑ دیتے ہیں زندگی سے خالی ایک وجود۔

اس جگہ پر زرشاہ کی مسکراہٹیں پھیل ہوئی تھیں۔اس کے قہقے اور باتیں ابھی تک طلال کو یاد تھیں اور شاید اس پارک کے ہر گوشے میں ان کی محبت کی یادیں جمی ہوئیں تھیں جیسے جھیل پر برف جم جائے۔

پر وہ اب اس سے دور جا چکی تھی اور اسے پانا ایک دویانے کا خواب ہوتا جا رہا تھا۔

وہ کچھ دیر وہاں بیٹھا یادوں کی باتیں سنتا رہا۔

اجنبی دیس میں جانے سے پہلے وہ ایک آخری بار محبت کی اس یادگار پر حاضری دینا ضروری سمجھتا تھا۔جہاں زرشاہ اور وہ ملکر اکھٹے خواب دیکھا کرتے تھے۔

جانے کیوں کچھ خواب بس خواب رہ جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

کائنات نے سیاہ لباس اتار پھینکا اور روشنی تاریکی پر غالب آنے لگی۔

شمال پر پھیلے پہاڑی سلسلے پر سورج کی پہلی کرنے پلی ہلکی سی روشنی پیدا کر رہی تھیں جب وہ جاگا اور ٹیرس پر نکل آیا۔

ندی کی آواز جو رات کو طوفان مچا رہی تھی اب پرندوں کے شور کے ساتھ ملکر نغمہ ربوبیت گا رہی تھی۔صبح کے سکون کو رگوں میں اترتے ہوئے اس کی نظر اچانک ہی ندی کے پاس پتھر پر بیٹھی ہوئی رخ پر پڑھیں تو اسے حیرت ہوئی۔

درای کی پانی میں پائوں رکھے ہوئے وہ کسی گہری سوچ میں کھوئی ہوئی تھی۔

اسے لگا جیسے ندی اس کے پائوں کی پازیب بن کر گنگنا رہی تھی۔وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پر لکڑی کا زینا اتر کر اس پاس چلا گیا۔

"گڈ مارننگ مادام۔"

"گڈ مارننگ۔۔"وہ متبسم ہوتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"جلدی جاگ جاتی ہو۔۔؟؟"اس کے سامنے پتھر میں بیٹھتے ہوئے وہ بولا۔

"ہاں۔صبح کی ہوا میں سانس لینا مجھے اچھا لگتا ہے۔کسی قسم کے شور اور گرد و غبار کے بغیر جیسے یہ ہوا رگوں میں ساتھ بہنے لگتی ہے۔"

"ہاں ٹھیک کہا۔"اس نے سر ہلایا اور موجوں کو دیکھنے لگا جو اس کے پائوں سے ٹکرا کر واپس ندی کی گہرائیوں میں اتر رہی تھیں۔

"صبح کا نور ہر چیز پر غالب آجاتا ہے۔ ہمارے اندر کی بے چینی اس سے کم ہوتی ہے۔ مجھے پرندوں کو صبح سویرے گھونسلوں سے اڑتے ہوئے دیکھنا اچھا لگتا ہے۔

کبھی کبھی میرا دل کرتا ہے یونہی ہواؤں میں اڑنے لگوں۔" اپنی آخری بات پر وہ خود ہی ہنسی تھی۔

وہ مسکرایا اور بولا۔ "اڑنا ہر ایک کی خواہش ہے۔ شاید ہر انسان زندگی میں کبھی نہ کبھی اڑنا چاہتا ہے۔ اوپر پھیلے نیلے آسمان میں بادلوں اور پرندوں کے ساتھ ساتھ۔

میں بھی کبھی کبھار سوچتا ہوں کہ ایسے ہی اڑوں بلندیوں میں۔"

اس نے پانی میں ہاتھ ڈالا اور پھر نکال لیا۔

بہتی ہوئی ندی، گرتا ہوا جھرنا، اور چھتری پر گرتی بارش کی بوندوں جیسا خوبصورت میوزک شاید اور کوئی نہیں ہوتا۔ یہ تو قدرت کی کمپوز کی ہوئے دھن ہوتی ہے جو روح کی تاروں کو چھیڑتی ہے۔

ندی کی گنگناہٹ کو سنتے ہوئے وہ پر سوچ لہجے میں بولا تو وہ ندی کی آواز کو مزید توجہ سے سننے لگی۔

"اور دنیا کی کوئی پرفیوم خشک مٹی پر بارش کی پہلی پھوار سے اٹھنے والی خوشبو جیسی نہیں ہوتی۔" اس کی بات میں اضافہ کرتے ہوئے وہ بولی تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے وہ خوشبو بھی بہت پسند ہے۔ پتا اس میں کیا بات خاص ہوتی ہے۔۔؟؟" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"نہیں۔۔" وہ مختصر سا جواب دیکر اسے دیکھنے لگا۔

"اس میں یہ خاص بات ہوتی ہے کہ اس من نہیں بھرتا ہے۔ جتنی سونگھ کے محسوس کرواتی ہی اور طلب بڑھتی ہے"۔ وہ ٹھیک ہی کہتی تھی۔ اس نے دل میں سوچا۔

طلحہ نے اوپر سے انہیں آواز دی تو وہ چونکے۔

وہ اوپر آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

اور جب وہ لکڑی کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے تو دونوں ہی کے دل میں ایک بات تھی۔

ان دنوں میں کتنا کچھ ایک جیسا تھا۔

☆☆☆☆☆

"بھیا ساری پیکنگ ہو چکی ہے۔ اب بس آپ کا جانا رہ گیا ہے۔" تانیہ اسے بتا رہی تھی۔

اور وہ خالی نظروں سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

تانیہ نے اپنے بھائی کی خاموشی محسوس کر لی اور ساتھ یہ بھی کہ وہ ذہنی طور پر یہاں نہیں ہے۔

"بھائی۔" اس نے طلال کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکا۔

"جی گڑیا۔"

"آپ ایسے کب تک رہیں گے۔۔؟؟"

"دیکھیں جس کے لئے آپ نے اپنی یہ حالت کر دی ہے وہ مزے سے گھومنے پھرنے چلی گئی ہے۔ اسے آپ کی پرواہ نہیں تو آپ اس کی اتنی فکر اور اتنی محبت کیوں پال رہے ہیں۔۔؟؟"

"گڑیا۔ رشتے کوئی مزاق تھوڑی ہوتے کہ ہم کہیں آپ ہمیں یاد کریں گے تم ہم آپ کو یاد رکھیں۔ آپ ہماری فکر کریں گے تو ہم آپ کی فکر کریں گے۔ کچھ رشتوں میں بہت کچھ یک طرفہ ہوتا ہے۔"

"پر پھر بھی بھائی۔ ایسے ہر وقت اداس رہنا۔ میرا بھائی تو اتنا مضبوط انسان تھا۔" طلال اپنی بہن کی بات سن کر ہنس پڑا۔

"کچھ چیزیں باہر سے بہت مضبوط ہوتی ہیں باہر کی چوٹ سے نہیں ٹوٹتی ہیں پر اندر سے جب کوئی چوٹ مارتا ہے تو اندر ہی ٹوٹ کر بکھر جاتی ہیں۔"

"بھائی۔"

"اچھا گڑیا مجھے چائے بنا دو نا پلیز۔"

اس کے مزید سوالات سے بچنے کے لئے طلال نے فرمائش کی تو وہ چائے بنانے چلی گئی۔

"جب کبھی لگتا ہے کوئی آپ کو سمجھ رہا ہے کوئی آپ کی خاموشی کی آواز سنتا ہے۔ کوئی آپ کی آنکھوں سے اندر کی گفتگو سنتا۔ کوئی جو آپ کے احساس کی خوشبو سونگھ سکتا ہے۔

کوئی جو آپ کے خوابوں کا ذائقہ جانتا ہے تب وہ کوئی اچانک "کوئی بھی نہیں" بن کر یہ ثابت کر دیتا ہے آپ کتنے غلط تھے۔

وہ کوئی بھی اب کوئی نہیں بن چکی تھی۔

اور ہر گزرتے دن کے ساتھ اجنبیت کی دیوار بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔ جس میں طلال اپنا وجود چنا ہوا محسوس کرتا تھا۔

☆☆☆☆☆

گاڑی پر پیچ راستوں پر چلے جا رہی تھی۔ راستے میں آنے والا ہر منظر خوبصورتی میں لاجواب تھا۔ بائیں ہاتھ پر بل کھاتی ہوئی ندی ان کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھی اور داہنے ہاتھ پر چیڑھ اور چنار کے درخت قطاریں بدلے جا رہے تھے۔

راستہ کشادہ تھا لیکن پھر کہی مقامت پر نیچے کھائیوں کو دیکھ کر دل گویا حلق میں آ جاتا تھا۔

اس نے کھڑکی کے پاس بیٹھی ہوئی زرشاہ کو دیکھا۔

جس کی ریشمی زلفیں ہوا کے دوش میں لہراتی ہوئی بار بار اس کے چہرے پر جھک رہی تھیں۔وہ ونڈو پر کلائی اور کلائی پر سر رکھے پورے انہماک سے بدلتے ہوئے مناظر میں کھوئی ہوئی تھی۔

وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر جب وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی تو وہ نگاہیں بدل گیا تھا۔

شاید ہر عورت میں خدا نے ایک خاص قسم کا سینسر لگا رکھا تھا جو اسے بتا دیتا تھا کہ کون اسے دیکھا رہا ہے اور کس نظر سے دیکھ رہا ہے۔

گاڑی ایک آبشار کیفے کے پاس رکی اور وہ سب نیچے اتر آئے۔

بلندی سے گرتے پانی کو نشیب میں پتھر جوڑ کر روکا ہوا تھا۔اور پانی میں سیاحوں کے بیٹھنے کے لئے کرسیاں اور چارپائیاں ڈال رکھی تھیں۔

اس نے کافی سیاحوں کو مزے سے پانی میں پاؤں رکھے بیٹھے دیکھا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ سب بھی کرسیوں پر براجمان ہو چکے تھے۔

سرد برفیلا پانی ان کے پاؤں سے ٹکرا کر نیچے کی طرف سفر جاری رکھے ہوئے تھا۔

ان کی پیٹھ پیچھے شوگران کی خوبصورت وادی اپنی ساری دلکشی کے ساتھ جلوہ افروز تھی۔چائے کے ساتھ گرما گرم پکوڑے ان کی میز پر رکھے جا چکے تھے۔

"یہاں سے آگے مزید کتنا سفر ہے۔۔؟؟" یہ تحریم تھی۔

"تقریباََ دو گھنٹے کا سفر ہے۔"

"ہم پہلے شوگران چلیں۔۔؟؟ وہ زیادہ خوبصورت ہے۔" طلحہ نے سوال کا جواب دیتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں وہ قریب بھی ہے واپسی جلدی ہو گی گھر کی اس لئے پہلے اسے ہی دیکھتے ہیں۔" ساریہ نے تائید کی اور باقی سب نے بھی سر ہلا دیا۔

چائے کا دور ختم ہوا تو سب تصایر نکالنے پر لگ گئے وہ خاموشی سے ان کو دیکھنے لگے۔

پتا نہیں کیوں اس کی نظر بھٹکتی ہوئی زرشاہ پر ہی جا رکتی تھی۔

اب بھی ایسا ہی ہوا۔

وہ پانی کو ہاتھ سے اوپر اچھالتے ہوئے اپنی تصویریں اتروا رہی تھی اور وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

ہنستی مسکراتی ہوئی شور کرتی ہوئی ندی کی طرح تھی وہ بھی۔
زندگی کی خوبصورتی شاید قدرت نے اس کی مسکراہٹ میں چھپا رکھی تھی۔
پر احمد نے ایک بات شدت سے محسوس کی کہ اس کے لب مسکراتے تھے آنکھیں نہیں۔
وہ سمجھ نہیں سکا کہ ایسا کیوں تھا۔۔ تھا بھی یا بس اس کا وہم تھا

☆☆☆☆☆

وہ شوگران پہنچ چکے تھے۔
بلند پہاڑیوں کے دامن میں واقع یہ مقام واقعی خوبصورتی میں بے مثال تھا۔ تھوڑا سا بلند ہونے کی وجہ سے ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی سبزے سے ڈھکے پیلائے کی اوپر کھڑے ہیں۔
بادلوں کے جھنڈ پرندوں کے ساتھ ساتھ اڑے جا رہے تھے اور شمال میں موجود پہاڑیوں کی چوٹیوں دھند میں روپوش تھیں ان صرف اڈھا حصہ ہی دکھائی دے رہا تھا۔
مغرب میں سورج اپنی آخری سانسیں گن رہا تھا اور اس کی سرخی مائل کرنیں درختوں سے یوں چھن کر آ رہی تھیں جیسے کوئی کوہ پری سرخ روشنی لباس میں درختوں کی اوٹ میں کھڑی ہو۔
بیگ کمرے میں چھوڑ کر وہ بالکونی آ کھڑا ہوا تھا نیچے گہرائی میں پہاڑی سلسلہ تھا۔ کسی بھی گھر یا ہوٹل میں اس کی پسندیدہ جگہ ٹیرس ہی ہوتی تھی۔
اس نے کرسی ریلنگ کے پاس کی اور اس کی اوپر ریلیکس پر ہو کر بیٹھ گیا۔
"خوبصورت منظر ہے کافی۔" پیٹھ پیچھے اس کی آواز سن کر وہ مسکرا دیا۔
"ہاں کافی زیادہ لیکن جو منظر آج میں نے دیکھے ہیں ان کو میں کچھ ایسے خوبصورت تھے جو پہلے کبھی کہیں نہیں دیکھے تھے۔" وہ اس کے پاس ریلنگ پر بیٹھ گئی۔
"اچھا وہ کون سے منظر جو صرف آپ نے دیکھے اور ہمیں نظر نہیں آئے۔۔؟؟"
وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے بال تھوڑے کھلے ہوئے تھے پشت پر سورج مغرب میں لیٹ چکا تھا لیکن اس کی کرنیں ابھی تک آسمان میں دکھائی دے رہی تھیں۔
"جیسا کہ میں اب دیکھ رہا ہوں۔" اس نے بے ساختہ کہا اور پھر اپنی بات کا مطلب سمجھ کر خود ہی دوسری طرف دیکھنے لگا۔
وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

کچھ دیر ان کی خاموشی آپس میں بات کرتی رہی پھر وہ جیسے بات بدلتے ہوئے بولی۔

"یہاں کس قدر سکون ہے۔روح میں اترتا ہوا سکون نہ ٹریفک کا شور نہ کچھ۔"

"ہاں۔"اس نے سر ہلایا اور پھر سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے بولا۔

"قدرت کی قربت میں خدواند نے سکون ہی سکون رکھا ہے۔لیکن انسان قدرت کے قریب نہیں آتے ہیں۔"وہ ریلنگ سے اتری ہو دور پہاڑوں کو دیکھنے لگی۔

سورج مغرب میں آرام کرنے سوچکا تھا اور ہوا میں ٹھنڈک کا احساس تیزی سے بڑھ رہا تھا۔

"یہاں سردی کافی ہوتی ہے اپنی اپنی جیکٹس نکال لو۔"طلحہ جیکٹ پہنتے ہوئے وہاں چلا آیا تھا۔

اس نے ایک نظر دور پہاڑوں میں کسی کو تلاشتے ہوئے اس کی نظروں کو دیکھا اور پھر خاموشی سے اٹھ آیا۔

اور زرشاہ پہاڑوں میں کھوئی ہوئی اس کی بدلتی ہوئی نظروں کو مفہوم سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

کبھی کبھی ہم کسی سے خاموشی سے محبت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔کچھ کہے بنا کچھ طلب کئے بغیر۔کیوں کے اسے چاہنا اور چاہتے رہنا ہماری مجبوری ہوتی ہے اسے پانا محض ہمارا خواب۔

طلال کے لئے وہ محض ایک خواب بنتی جا رہی تھی اور اسے چاہنا اور چاتے رہنا اس کی مجبوری۔

اس کی فلائیٹ کے دن قریب آتے جا رہا تھے۔

اس لئے وہ آخری مرتبہ باباجی کے پاس درگاہ پر آیا تھا۔

"باباجی کچھ دن بعد میں باہر جا رہا ہوں۔یہ شہر مجھے راس نہیں آئے۔"درگاہ کے آنگن میں لگے بوڑھے برگد ست ٹیک لگائے بیٹھے باباجی اس کی بات سن کر ہمیشہ کی طرح مسکرا اٹھے اور بولے۔

"انسان عادی ہیں کہ اپنے کرموں کی بات دوسری چیزوں پر ڈال کر خود بری زمہ ہو جانا چاہتے ہیں۔

تم شہر کا کہہ رہے ہو۔کوئی کہیں تقدیر پر سب باتیں دال رہا ہے۔کوئی کس کے کاندھے پر اپنا بوجھ ڈالے ہے کوئی کس کے۔اپنی غلطیوں کو دوسروں کے سر نہیں ڈالتے ہیں۔

یہ سمینٹ سریا سے بنے شہر کچھ نہیں ہیں۔"

"پر بابا میری غلطی معاف بھی تو کی جاسکتی ہے نا۔۔؟؟"

"ہاں پتر۔"

"پر کسی کی نظر میں وہ غلطی ہو سکتا ہے اس کی عمر بھر خلش ہو۔ جسے ہم معمولی بات سمجھتے ہیں ہو سکتا دوسرے کے لئے وہ غیر معمولی بات ہو۔ کبھی کبھار کچھ باتیں سمجھنے کے لئے ہمیں دوسری کی جگہ لیکر اس کی طرح سوچنا پڑتا ہے۔ کچھ چیزیں جہاں سے ہم دیکھ رہے ہوتے ہیں وہاں سے صاف دکھائی نہیں دیتی ہیں۔ اس لئے جگہ بدل کر دیکھنا ہوتا ہے کہ دوسرا جو کہہ رہا ہے اس بات میں کتنی سچائی ہے۔

پتر! اگر ہم خود کو دوسروں کی جگہ رکھ کر سوچنے لگے تو کبھی اکیلے نہ ہوں۔ ہماری تنہائی کی وجہ ہی یہی ہے کہ ہم دوسروں کو سمجھنا نہیں چاہتے ہیں۔

دوسروں کو سمجھ کر ان کا احساس کر کے جینا ہی زندگی ہے۔

ورنہ یقین کرو۔ ہم میں سے بیشتر لوگ بس زندگی کی دیوار میں سے اینٹیں نکالنے پر لگے ہوئے ہیں۔"

"آپ کی بات درست ہے بابا۔ شاید اس لئے زندگی میں بہت بار آپ ہوتے تو ہیں پر کسی کو نظر نہیں آتے ہیں۔"

"چل زیادہ سوچ نہ۔

تمہارے لوگوں نے خوب اچھے سے درگاہ کی مرمت کی ہے۔ آئو تمہیں دکھاتا ہوں میں سب۔"

کچھ چیزیں وقت پر چھوڑ کر تماشہ دیکھنا ہی اچھا ہوتا ہے۔ کچھ کہانیوں میں ہمارا کردار سامع اور تماشائی کا ہوتا ہے۔

وہ اسے ہاتھ سے پکڑ کر اندر لے گئے تھے اور وہ ان کی باتیں سنتا ہوا سب دیکھے جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

جیپ پر پیچ راستوں پر اچھلتی کودتی بلندی کی طرف جا رہی تھی اور تحریم فاریہ اور ساریہ کی چیخیں ہر کھائی کو دیکھ کر بلند ہوتی تھیں اور طلحہ ہنس ہنس کر لوٹ پھوٹ ہو جاتا۔ سڑک غریب کے نصیب کی طرح خراب تھی اور جگہ جگہ گہرے گڑے تھے اور سلائڈنگ تھی۔ دائیں بائیں بلند وہ بالا چیڑھ اور دیودار کے درخت گھنے درخت تھے جو سڑک کو اپنی بانہوں میں بھرے خاموشی سے ہر آنے جانے قافلوں کو دیکھے جا رہے تھے۔

جیسے جیسے جیپ بلندی کے قریب ہو رہی تھی ویسے ویسے ہوا میں خنکی اور ٹھنڈک کا احساس غالب آ رہا تھا۔

جب وہ سری پایہ پر پہنچے تو دھند اچانک کہیں سے نمودار ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے منظر نگاہوں میں تحلیل ہو گئے۔

"اللہ! اگر یہ دھند ایسی ہی رہی تو ہم کیسے پایہ دیکھیں گے۔" یہ فاریہ تھی۔

"یہاں دھند کچھ وقت کے لئے آتی ہے اور پھر چلی جاتی ہے۔" ڈرائیور نے بے پرواہ لہجے میں کہا۔

وہ خاموشی سے چار سمت دیکھ رہے تھے۔

"درختوں کے درمیان سے دھند ہلکی ہوا پر تیزی سے گزری چلی جا رہی تھی۔ کس قدر سحر انگیز منظر ہے۔" احمد نے جیسے خود کو مخاطب کیا تھا۔

لڑکیاں گرم جیکٹس پہنے نیچے اتر آئیں تھیں۔ ان کی طرح کافی ٹورسٹ وہاں کھڑے دھند چھٹنے کا انتظار کر رہے تھے۔

دھند اور محبت ایک سی ہوتی ہے۔ تیزی سے آتی ہے اور ہر احساس کو لمحوں میں ڈھانپ کر ہر فکر کو دور کر دیتی ہے اور پھر جب اپنے پر سمیٹ لیتی ہے تو انسان اپنے اندھے ہونے پر حیران و پریشان کھڑا رہ جاتا ہے۔

طلحہ وڈیو بنا رہا تھا اور وہ جیپ کے بانٹ پر بیٹھا دھند میں کسی غیر مرائی وجود کو تلاش کرنے میں مصروف تھا۔

"کہاں کھوئے ہیں۔۔؟؟" زرشاہ مفلر کو کانوں کے گرد لپیٹے ہوئے اس کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔

"بس دھند کو دیکھ رہا ہوں ایسا لگتا ہے جیسے ہم کسی ہارر مووی کا کردار ہیں۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"ہاں واقعی۔"

منظر وہ نگاہیں سامنے جمائے باتیں کرنے لگے آہستہ آہستہ دھند کم ہونے لگی تھی اور پہاڑیوں کے خدوخال تھوڑے واضح ہونے لگے تھے۔

اور پھر دھند کا آخری قافلہ بھی گزر گیا۔

اور جو منظر دھند سے نکل کر سامنے آیا اسے دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے تھے۔

حد نگاہ پھیلا ہوا سبزے کا طشت تھا جو کناروں سے اوپر اٹھا ہوا آسمان کے نیلے رنگ سے باہم مل رہا تھا۔ سامنے ہی کوہ مکڑہ اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ برف کا تاج سر رکھے شان و شوکت کھڑا تھا۔ جس پر تیرتے ہوئے بادل دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے بھیڑوں کے ریوڑ ہوں۔ سورج کی روشن کرنیں بادلوں اور دھند کی اوٹ میں سے کسی الہڑ مٹیار کی طرح شرمیلے شرمیلے انداز میں کبھی جھانک لیتی تھیں۔

طلحہ دھڑا دھڑ فوٹو نکالے جا رہا تھا اور فاریہ اور ساریہ اونچی آواز میں شور کرتے ہوئے میدان میں بھاگے جا رہی تھیں۔ وہ سبزے کے جسم میں سے بدنام داغ کی نکلی ہوئی ایک چٹان پر بیٹھا ہوا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

کسی بھی قسم کی امیزش اور دھول مٹی سے پاک ہوا میں اس کی روح کسی آزاد پرندے کی طرح جیسے آسمان میں اڑنے لگی تھی۔

لڑکیاں کچھ دیر شور مچاتی رہی اور پھر فاریہ تھک کر اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔

طلحہ اور ساریہ ڈھلوان سے نیچے کی طرف چلے گئے تھے۔

"کتنا سکون ہے یہاں۔" ایک لمبا سانس کھینچتے ہوئے فاریہ نے اسے دیکھا۔

"ہاں۔!

زندگی جتنی ہلکی ان قدرتی حسن سے مالامال اکر محسوس ہوتی ہے کہیں اور کسی بھی جگہ ویسے محسوس نہیں ہوتی۔" اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا اور دور بادلوں میں جھانکنے لگا۔

وہ خاموشی سے کچھ دیر اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔

"آپ شروع سے ایسے تنہا پسند ہیں یا بعد میں کسی وجہ سے ہوگئے۔ میں نے سفر کے دوران محسوس کیا کہ آپ باتیں کم کرتے ہیں۔ اور زیادہ تر الگ تھلگ رہتے ہیں۔"

"خاموشی اچھی چیز ہے۔ شاید میری فطرت میں خاموشی کا پہلو گویائی پر غالب ہے۔ میں شروع سے ہی ایسا ہوں۔ ویسے بھی ان جگہوں میں آکر خاموشی کے ساتھ مناظروں میں خود کو جذب کرتا ہوا محسوس کرنا اچھا لگتا ہے۔" وہ اس کی کھوجتی نظروں میں جھانکتے ہوئے بولا تو اس نے ایک لمبا سا ہنکارہ بھرا اور دور طلحہ اور ساریہ کو دیکھنے لگی جو ان کی طرف ہی آرہے تھے۔

"فطرت کے کینوس پر خدا نے کس مہارت سے سب کچھ بنایا ہے۔" وہ بڑبڑائی تھی۔

طلحہ ور ساریہ قریب آچکے تھے اس لئے احمد خاموش رہا۔

"لوگ گھومنے پھرنے آتے ہیں اور تم یہاں آکر کسی پتھر پر بیٹھ جاتے ہو۔" یہ طلحہ تھا۔

"تم ظاہر کی آنکھوں سے سب دیکھتے ہو اور میں باطن کی آنکھوں سے محسوس کرتا ہوں۔" وہ کہتے ہوئے ہنسا تو ساریہ نے منہ بنایا۔

"تمہاری باتیں اور فلسفہ بھی۔"

"جانے کا وقت ہونے لگا ہے۔" طلحہ نے ساریہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا تو وہ سب جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

سورج مشرقی پہاڑیوں پر اپنی الوادعی سانسیں گن رہا تھا جب انہوں نے واپسی کا سفر شروع کیا۔

ڈھلتی ہوئی شام کے کنارے کنارے وہ واپس جا رہے تھے۔

کون جانتا تھا کہ زندگی پھر ان کو یہاں آنے کا موقع دے نہ دے۔ کچھ سفر زندگی میں ایک بار ہی کئے جاتے ہیں اور وہ سفر کبھی کبھی چاہ کر بھی انسان کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ کیوں کے کچھ مسافتوں کے بعد منزل نہیں ملتی ہے بس ایک تھکن جو ابدی طور پر آپ کو اوڑھا دی جاتی ہے۔

گاڑی نے انہیں واپس شوگران ڈراپ کیا اور سب بس میں بیٹھ کر ناران کی سمت نکلے جو ان کا آخری پڑائو تھا۔

دن ڈھل چکا تھا جب وہ وادی ناراں میں داخل ہوئے۔اونچی برفانی چوٹیاں دم سادھے کھڑی تھیں اور بازار میں سیاحوں کی کافی رش تھی۔ساتھ موجود پروفیسر انہیں گاڑی میں چھوڑ کر ہوٹل کا پتہ کرنے چلے گئے تو وہ بس سے اتر آیا۔

سردی کا احساس غالب آ رہا تھا۔وہ ارگرد کے چلتے لوگوں کو دیکھنے لگا جو ملک بھر سے یہاں جمع ہوتے تھے۔

"ایک کپ کافی تولا دو واحمد۔"ساریہ نے گاڑی سے سر باپر نکالتے ہوئے فرمائش کی تو وہ سر ہلاتا سامنے سڑک کے کنارے لگی کافی مشین کی طرف بڑھ گیا۔جب وہ لوٹا تو لڑکیاں گاڑی سے باہر کھڑی تھیں۔

کافی ان کو پکڑا کر وہ گاڑی کے بانٹ سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک مناسب سے ہوٹل میں موجود اپنا اپنا سامان چیک کر رہے تھے۔

رات سر پر آ چکی تھی اور سفر کی تھکن سے چور ان سب نے جلدی سونا تھا۔

☆☆☆☆☆

کچھ لوگ راستے میں لگے درختوں کی مانند ہوتے ہیں گھنے خوبصورت اور تنہا۔راستے میں چلنے والے قافلے کچھ پل کے لئے ان کے سائے میں رکتے ہیں پھر اپنی اپنی منزلوں کی طرف چل دیتے ہیں۔ان درختوں کا کا سایہ جانے والوں اور آنے والوں کے یکساں مہربان ہوتا ہے۔یہ درکت کبھی کسی سے شکوہ نہیں کرتے ہیں۔کچھ لوگ بھی ان درکتون کی طرح تنہا ہوتے ہیں۔سب رشتے وقت کے ساتھ بدل کر ان کو تنہا کرتے ہیں۔پر یہ لوگ اف تک نہیں کرتے ہیں کیوں کے وہ ایک خوبصورت دل کے مالک ہوتے ہیں۔وہ جانے والوں پر ناراج نہیں ہوتے ہیں اور آنے والوں کو ہمیشہ مسکرا کر ملتے ہیں چاہے ان کے دل اندر سے رو رہیں ہوں ۔ہمارے اردگرد بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو رشتوں کے معاملے میں خالی ہوتے ہیں کسی فقیر کی جھولی کی طرح۔پر یہ کردار امر ہو جاتے ہیں ان محبتوں کی بدلوت جو وہ بانٹتے ہیں ان مسکراہتوں کی بدلوت جو وہ ہر کسی پر نچھاور کرتے ہیں۔ان رشتوں کی بدولت جو وہ نبھاتے ہیں۔یہ کردار مر کر بھی بہت سے لوگوں کو زندگی بخش دیتے ہیں۔

کسی جوابی طلب کی خواہش کئے بغیر حاصل اور لاحاصل کی جنگ لڑے بغیر۔

"پتر۔ایسا درخت بن جائو جس کی چھائوں سے ہر ایک مستفید ہو۔ایسا کردار بن جائو جو سب کو یاد رہ جائے۔بس یہی زندگی ہے یہ وہ تمہارا عمل ہے جو لوگوں کے دلوں میں تمہیں امر کرتا ہے۔"باباجی کی باتیں اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"جانے ایسے درخت اور ایسے لوگ ہمیشہ تنہا کیوں رہ جاتے ہیں۔"اس نے خود سے سوال کیا۔

آج شام اس کی فلائیٹ تھی پر زرشاہ کے چچا کی شادی میں شرکت کرنا ضروری تھی اسلئے طلال نے تاریخ مزید آگے کر دی تھی۔

اس طرح کچھ مزید سانسیں وہ اس شہر میں لے رہا تھا جس شہر کی فضائوں میں اس کی محبت سانس لیتی تھی۔

طلال جاڑ راستے کی طرح ہو گیا تھا جو طویل عرصے سے بند ہو چکا ہو۔

کچھ لوگوں کو یادیں یوں زندہ کرتی ہیں جیسے ویران راستوں پر جمی دھول کو کوئی بھول بسرا قافلہ کچھ دیر کے لئے زندہ کر دے۔

کتنے خوبصورت ہوتے ہیں وہ پل جو کسی کی یاد میں گزر جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

وہ ابھی جھیل پر پہنچے تھے

سیف الملوک جھیل برفیلی چادر کو دانتوں میں دبائے ہوئے پرسکون تھی۔وہ کچھ دیر پہلے ہی یہاں پہنچے تھے۔

فلک بوس برفیلی پہاڑیوں کے دامن میں گری یہ یہ جھیل پہلی نظر میں ہی انسان کو دیوانہ کر دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

"جھیلیں کتنی پرسکون ہوتی ہیں نا۔۔؟؟"وہ پتھر پر بیٹھا برفیلی ہوا اور اردگرد پھیلے سکون کو محسوس کر رہا تھا جب وہ اس کے چٹان پر آ بیٹھی تھی۔

"ہاں ان کی گہرائی ہی انہیں پرسکون رکھتی ہے۔"وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"آپ کتنی دفعہ یہاں آ چکے ہو۔۔؟؟"ان کے درمیان آپ سے تم تک کا فاصلہ ابھی تک قائم تھا۔

"کافی بار آ چکا ہوں۔یہ میری پسندیدہ ترین جگہ ہے۔"

"آپ اکتاتے نہیں ہر بار اسے اسی طرح دیکھ کر۔۔؟؟"

"نہیں۔۔"اس نے نفی میں سر ہلایا اور بولا۔

"فطرت ہمیشہ الگ روپ میں ملتی ہے اور ویسے بھی کچھ مناظر ایسے ہوتے ہیں جو بار بار دیکھنے سے ہمیشہ ایک نیا احساس آپ کے اندر پیدا کرتے ہیں۔ان سے اکتاہٹ نہیں ہوتی کبھی۔"وہ جواباً خاموش رہی تھی۔

مرغابیوں کا ایک غول جھیل پر اتر چکا تھا۔

"کچھ لوگ ان پرندوں کی طرح خانہ بدوش ہوتے ہیں جو کسی ایک جھیل کی خوبصورتی پر نہیں ٹکتے وقت اور موسم کے بدلائو کے ساتھ ہی اپنے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں۔"

وہ خاموشی سے جھیل سے پر تیرتی کشتیوں اور اس پیدا ہونے والی لہروں کو دیکھنے لگے تھے۔

کچھ دیر ان کی درمیان ہوا خاموشی سے سرسراہٹ پیدا کرتی رہی پھر وہ اسے دیکھنے لگا تھا۔

جو دونوں ہاتھوں کو گود میں رکھے ٹکٹکی باندھے جھیل کو گھورے جا رہی تھی۔

سر پر سرخ ٹوپی اور ان سے نکلتے ہوئے ہلکے براؤن بال۔ جھیل کی طرح گہری سیاہ آنکھیں۔

وہ جھیل کی طرح پر سکون اور گہری لڑکی تھی۔

اس نے دل میں سوچا اور پھر جھیل کو دیکھنے لگا جہاں سے مرغابیاں ایک ایک کر کے اڑ رہی تھیں۔ کسی نئی منزل کی تلاش میں تھیں۔

وہ کافی دیر وہاں رکے تھے کسی کا بھی دل واپس جانے کا نہیں تھا پر جانا مجبوری تھی۔ پروفیسر نے واپسی کا اعلان کیا تو سب نے الوادعی نظروں سے جھیل کے نیلے پانیوں کو آخری سلام کیا اور پھر سب اپنی اپنی جیپوں کی طرف چل دیئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

رات نیم وا آنکھوں سے کائنات کو دیکھے جا رہی تھی۔ پہاڑیوں پر سورج برف میں روپوش ہونے کی تیاری کر رہا تھا اور اس کی زرد کرنیں برف پر پھیلی ہوئی آنکھوں کو بھلی لگ رہی تھیں۔ آج ان کے ٹور کا آخری دن۔

سفر کتنا بھی طویل کیوں نہ ہو کبھی نہ کبھی منزل آجاتی ہے اور کبھی کبھی منزل ملے نہ ملے پر واپسی کا سفر تو کرنا ہی ہوتا ہے۔

اور واپسی کبھی کبھار بہت بوجھل اور دل گرفتہ سی کیفیت آپ پر طاری کر دیتی ہے۔

وہ کھڑکی میں کھڑا زرشاہ کو ندی کے یخ بستہ پانی میں پاؤں ڈالتے اور پھر کچھ سیکنڈز بعد سردی سے نکالتے ہوئے کب سے دیکھ رہا تھا۔

جب وہ پاؤں ندی میں رکھتی تھی تو ایسا لگتا تھا جیسے ندی اس کے پاؤں کی پازیب بن کر کھنک رہی ہو۔

اپنے آپ میں مگن رہنے والی لڑکی کب اس کے دل میں آگئی اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔ وہ کچھ دیر وہاں کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر کچھ سوچ کر ہوٹل سے باہر نکل آیا اور اس کی طرف چل دیا۔

لگتا ہے تمہیں پانی سے محبت ہے۔ اس کے پاس کھڑے ہوتے ہوئے وہ بولا،۔

ہاں۔۔ وہ مسکرائی اور ندی کو دیکھتے ہوئے بولی۔

ایسی ندی کو دیکھتے ہوئے میرا دل کرتا کہ میں بھی اس ندی کے ساتھ بہت دور تک بہتی چلی جاؤں۔ لہروں کی طرح آہستہ آہستہ کسی دو کی منزل کی طرف کسی گہرے سے سمندر کی طرف جہاں پہنچ کر وجود ختم ہو جاتا ہے۔

ہاں سمندر مجھے بھی پسند ہیں۔ وہ پر سوچ لہجے میں بولنے لگا۔

سمندروں کی خاموشی بھلی لگتی ہے۔۔ وسیع پھیلے ہوئے سمندر جن کا کوئی ماضی نہیں ہوتا ہے۔ جو ہمیشہ اپنے حال میں جیتے

ہیں اور ہزاروں راز اپنے سینوں میں دبائے ہوئے صدیوں سے خاموش ہیں۔۔سکوت اصل مفہوم سمندر ہی بتاتا ہے۔

ایک دفعہ میں نے ایک بحری جہاز پر سفر کیا تھارات کو جب کھلے سمندر میں چاند نکلاتو میں اس کے عرشے پر کھڑا تھا۔گہرا سکوت تھااور چاند کی کرنیں لہروں پر رقص کر رہی تھیں۔مجھے لگا جیسے میں کسی فلم کا کردار ہوں۔

آخری بات وہ ہنس دیا۔

آپ سفر کرتے رہتے ہو،، تھکتے نہیں۔۔؟؟

جن کے پاؤں میں سفر بندھا ہو وہ تھکتے ہیں بھی تو اس کا اظہار کبھی نہیں کرتے ہیں۔

آپ کو آج تک کوئی منزل نہیں ملی جہاں آپ پڑاؤ ڈال سکو۔۔؟

اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ بولی۔

وہ اس کی بات سن کر ایک لمحے کو چپ رہ گیا تھا۔اس کی نظریں زرشاہ کے چہرے پر ٹکی تھیں۔اسے لگا جس منزل کی اس کو تلاش ہے وہ اس کے سامنے ہی ہے۔چند قدم کے فاصلے پر۔

پر کبھی کبھی اایسا ہوتا کہ چند قدم کے فاصلے کے لئے صدیوں کی مسافت طے کرنی پڑتی ہے۔اور کبھی کبھی یہ چند قدم کا فاصلہ ختم ہی نہیں ہوتا ہے آپ کے مقدر میں بس چلتے رہنا ہوتا ہے۔

کہاں کھو گئے۔۔؟؟

زرشاہ کی آواز سن کر وہ چونکا۔

کہیں نہیں۔۔بس یہ سوچ رہا تھا منزل کیسی ہوتی ہے۔۔؟؟

تحریم نے اوپر سے آواز دے کر فاریہ کو اپنی طرف بلایا تو اٹھ کر چلی گئی اور وہیں بیٹھا رہ گیا۔

اب اور سفر کی تاب نہ رہی

یہ دل اب پڑاؤ چاہتا ہے

کسی سے امید وفا نہ رہی

دل اب پڑاؤ چاہتا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆

گاڑی واپسی کی راہوں پر رواں دواں تھی۔خوبصورت وادیاں پیچھے چھوٹ رہی تھی اور خوبصورت لمحے بھی کہیں دور برف کی چادر میں جھانکتے ہوئے ان کو الوادعی سلام کر رہے تھے۔

طلحہ اور ماریہ کیمرے میں پکچرز دیکھنے میں مصروف تھے اور وہ دونوں کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے چھوٹ جانے والے لمحوں اور خوصورت یادوں میں کھوئے ہوئے تھے۔

زندگی کی گاڑی میں ہم سب ہی مسافر ہوتے ہیں۔اپنی اپنی منزلوں کے انتظار میں گاڑی کی کھڑکیوں جھانکتے رہتے ہیں۔

اپنی اپنی منزل پر پر اتر کر سب کچھ دیر گاڑی کو دور جاتا دیکھتے رہتے ہیں اور پھر منزل کی طرف جاے والے عاسرت پر تھکے تھکے سے چلنے لگتے ہیں۔منزل پر پہنچ جانے کی خوشی بھی ہوتی ہے اور کسی ہمسفر سے بچھڑ جانے کا غم بھی ہوتا ہے۔

ایسے سفر جن پر پر من چاہا ہمسفر نہ ہو بس تھکن ہی دیتے ہیں۔زندگی کمپروائز سے گزرتی ہے مان کر چلنا ہوتا ہے۔اور ایسی منزلیں جن پر ہم اکیلے پہنچ جاتے ہیں کسی کے بغیر وہ روحانی سکون کبھی عطا نہیں کرتی ہیں جو کسی ایسے انسان سے وابستہ ہوتا ہے جس کے ساتھ نہ تو مسافتیں اہمیت رکھتی ہیں نہ ہی پڑاؤ۔

زندگی گزر جاتی ہے۔یہ تو بہتی ہوئی ندی کی طرح ہوتی ہے رکتی نہیں ہے۔اگر رک جائے تو رکے ہوئے پانی کی طرح اس سے سرنڈ آنے لگی ہے جی الٹنے لگتا ہے۔

ہمیں بہاؤ کے ساتھ بہنا ہوتا ہے کناروں سے جھانکتے لوگ یا ساتھ بہتے لوگ ملتے ہیں بچھڑتے ہیں۔

اس نے طویل سانس اپنے کھینچی تھی اور ایک نظر زرشاہ کو کو دیکھا جو ٹھریم سے سر جوڑے کوئی بات کر رہی تھی اور پھر باہر دیکھنے لگا۔

سب کچھ پیچھے چھوٹ رہا تھا۔سڑک کے کنارے بنی دوکانیں،بل بورڈ،سائن بورڈ،کھمبے،درخت راہ چلتے لوگ۔

زندگی میں بہت کچھ پیچھے چھوٹ جاتا ہے۔کبھی کبھار ہم بہت آگے جا کر جب پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں تو بہت سے ایسے چہرے دکھائی دیتے ہیں جو وقت کی دھند میں کھو چکے ہوتے ہیں۔بس ان کی یادیں ہوتی ہیں جو یاد آتی رہتی ہیں۔

جن شناسا راستوں پر جاتے ہوئے بڑی لزت ملتی ہے انہیں راستوں پر واپسی اکثر اذیت دے جاتی ہے

اس نے سیٹ سے سر ٹکائے اور آنکھیں موند لیں۔

ایسا ہوتا ہے کہ زندگی میں اکثر ہم تھک جاتے ہیں تو یونہی آنکھیں موند کر حالات سے فرار چاہتے ہیں۔یا بہت تھک جائی تو دل کرتا آں کھیں بند کریں اور اپنی زندگی کی گاڑی سے غائب ہو جائیں۔صفحہ زندگی سے مٹ جائیں اور کسی دور ایسی جگہ چلے جائیں جہاں کوئی نہ۔بس گہری خاموش ہو۔

پر ایسا کہاں ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انہیں واپس آئے آج تیسرا دن تھا اور زرشاہ کو پرفیسر یاد آئے۔اور اب وہ ان کے سامنے بیٹھی پوچھ رہی تھی۔

زندگی کیا ہے۔۔؟؟

وقت کے پاؤں میں چبھا ہوا کانٹا جو کسی وقت بھی نکال کر پھینک دیا جائے۔

اس کے سوال پر مسکراتے ہوئے انہوں نے کہا۔

کیا زندگی میں کوئی رنگ نہیں۔۔؟؟

پین کو دانتوں تلے دبائے وہ پر سوچ لہجے میں بولی تھی۔

اصل میں زندگی ایک ہی لمحے میں رنگوں کی بارش ہے تو دوسرے ہی لمحے کسی نابینا کی آنکھوں کی طرح بے رنگ۔

ہر انسان کو زندگی الگ روپ اور بھیس میں ملتی ہے اور زندگی کے بارے میں ہر ایک اپنے الگ نظریات ہوتے ہیں۔

ایک غریب کے لئے زندگی کے معنی مشقت ہیں اور کسی امیر کے لئے عیش عشرت کی تصویر ہے زندگی۔زندگی جس کو جیسا بن کر ملتی ہے وہ اس کے بارے میں ویسا ہی کہتا اور سنتا ہے۔

زندگی بالکل ایسے ہی جیسے سردیوں کی بارش۔

شہر کے فٹ پاتھوں پر رہنے والے لوگوں کے لئے ایک بھیانک چیز کہ سردی ان کی ہڈیوں میں گھسی جارہی ہوتی ہے۔اور کوئی آتش دان کے سامنے کوئی رومانی ناول لئے بیٹھا گرماگرم چائے کے ساتھ پڑھتے ہوئے اس بارش کو رومانیت اور حسن کا شاہکار مانتے ہوئے دعا کرتا ہے کہ بارش کچھ دن یونہی لگی رہے۔

زندگی کے ہزار روپ ہیں ہزار رنگ ہیں۔

ان میں سے اصل کون سا ہے نقل کون سا ہے کوئی کہاں جانتا ہے۔

کسی کے لئے شب و روز کی گرش زندگی ہے تو کوئی کسی چیز کو مقصد حیات بنائے جئے جارہا ہے۔

وقت کی ندی میں سب ہی سفر کر رہے ہیں۔کسی کے پاس بڑا ابھری جہاز ہے جو ہر طوفان سے نبر آزما ہونے کے آلات سے لیس ہے تو کسی کے پاس چھوٹی سی ناؤ ہے جو معمولی سی وقت کی بدلتی لہر کے آگے ہار کر ڈوب جاتی ہے اور پیچھے کچھ دیر بلبلے رہ کر اس کے ہونے کا پتہ دیتے ہیں اور پھر وہ بھی مٹ جاتے ہیں۔

آپ کی باتیں بہت پیاری ہوتی ہیں سر!

وہ مسکرائی تو وہ بھی مسکرادیئے اور بولے۔

ہر انسان کی باتیں خوبصورت ہوتی ہیں بس کچھ کو توجہ سے سننے والے ملتے ہیں اور کچھ کو نہیں۔

اچھا چلتی ہوں سر۔امی ابو کراچی ہیں گھر کے کام دیکھنے ہوتے ہیں۔لیٹ ہو جاؤں تو دادی کھری کھری سنا دیتی ہیں۔

اچانک ہی اسے یاد آیا تھا کہ اسے جلدی گھر جانا ہے۔کتابوں کو سمیٹے ہوئے وہ جلدی سے بولی تھی۔

کچھ رشتوں کی ڈانٹ سے پتا چلتا ہے زندگی کتنی خوبصورت ہے۔جب وہ چلے جاتے ہیں تو ان کی ڈانت بہت یاد آتی ہے۔وہ اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

کوئی نہیں۔مجھے ڈانٹ بالکل نہیں پسند۔وہ کھڑی ہوتے ہوئی منہ بنا کر بولی اور اس بار انہوں صرف مسکرانے پر اتفاق کیا تھا۔

وہ ان سے اجازت لے کر تیز قدموں سے چلتے ہوئے کیمپس سے باہر نکل گئی اور وہ پیچھے اپنی سوچوں میں تنہاء بیٹھے دور اڑتے کبوتروں کو دیکھنے لگے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

احمد سمجھتا تھا کہ شاید وہ وقتی طور پر زرشاہ سے متاثر ہوا ہے۔لیکن کچھ دن میں ہی اسے اندازہ ہو گیا کے زخم گہرا ہونے لگا ہے۔وہ ڈری سہی سی لڑکی اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور وہ جتنا خود پر کنٹرول کرنا چاہتا ہے اتنا ہی بے اختیار سا ہونے لگا ہے۔

پہلی نظر کی محبت۔یا محبت کی پہلی نظر جو کائنات کا سب سے بڑا راز آپ کے دل کو سونپ دیتی ہے۔اور دل بہت کوشش کرتا ہے کہ اس راز کو راز رہنے دیا جائے کسی کو اس کی بھنک تک ہو۔پر ہر گزرت دن کے ساتھ سینہ اس راز کے لئے تنگ ہونے لگتا ہے۔

وہ بھی کچھ ایسی ہی کیفیت میں تھا۔خود کو روک بھی رہا تھا اور چاہتا بھی تھا کہ اسے بتائے۔

محبت کی پہلی نظر۔

جو سینے میں ہلکی سی چنگاری کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔پھر رفتہ رفتہ بھڑکتے ہوئے الاؤ میں بدلنے لگتی ہے۔جذبوں کی ہوا اس چنگاری کو شعلوں میں بدل دیتی ہے۔وجود جلنے لگتا ہے سلگنے لگتا ہے۔بے قراری الجھن بے چینی اور نجانے کیا کیا جذبات وجود میں کسی زہر کی طرح پھیلنے لگتے ہیں۔

احمد جانتا تھا کہ ان کے اور فجر کے خاندان میں اسٹیٹس کا بڑا فرق ہے۔پر یہ بات دل کو سمجھا نہیں پا رہا تھا۔دل تھا کہ امیدیں پال رہا تھا۔

محبت بھی عجیب چیز ہے۔کیا کیا خوش گمانیاں دینے لگتی ہے۔۔انسان جیسے محبت میں خود دھوکا اور فریب دیتا ہے شاید کسی اور جذبے سے مغلوب ہو کر کبھی نہیں دیتا۔

محبت کس موڑ پر آپ کو شکار کر لے کوئی نہیں جانتا تھا۔

احمد اس کا شکار بن چکا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ اس محبت کا انجام کیا ہونا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ اچانک ہی اس کے سامنے چلی آئی تھی سرخ لباس میں ملبوس ہاتھ میں پھولوں کی ٹوکری پکڑے وہ بالکل بدل چکی، طلال کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں وہی نفرت اور بے گانگی اتری جو اسے اندر تک کاٹ کر رکھ دیتی تھی۔

پھر وہ رکی نہیں انہی قدموں سے واپس مڑی تھی اور وہ سیڑھیوں پر بت بنا کھڑا رہ گیا تھا۔

پھر اس سے وہاں کھڑا نہ رہا گیا اپنے ٹوٹے وجود کو جوڑتے ہوئے وہ باہر آکر کھڑا ہوا گاڑی سے ٹیک لگا کر سگریٹ سلگا لیا۔

فایزہ جو دور سے سب دیکھ چکی تھی اس کو باہر جاتے دیکھ کر اس کے پیچھے چلی آئی۔

کب تک اس کی آنکھوں میں اپنے لئے اتنی نفرت دیکھ سکیں گے طلال بھائی۔۔؟

جب تک اس کی شادی نہیں ہو جاتی تب تک

وہ مجھے مکمل فراموش کر دے گی۔

آپ اس کی شادی ہوتے دیکھ لو گے۔۔؟

فایزہ نے بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ پتا نہیں کیوں مسکرا دیا اور بولا

جب اس کی آنکھوں میں اپنے لئے نفرت دیکھ سکتا ہوں تو شادی ہوتے بھی دیکھ لوں گا۔

فائزہ بھی گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی تھی

اندر سے گاتی لڑکیوں کا شور باہر تک آرہا تھا۔

میں نہیں آنا چاہتا تھا پر نانی جان کو چھوڑنے آنا پڑا ورنہ میں اس کا سامنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ جیسے خود سے بولا تھا

فایزہ نے کچھ جواب نہیں دیا۔

ان دونوں کی محبت اس کے سامنے تھی دونوں ہی آخری حدوں تک ایک دوسرے پر مرتے تھے فرسٹ کزن تھے جب فیملی میں کوئی پروگرام ہوتا تو وہ دنوں محفل کو چار چاند لگا دیتے خاندان کی کوئی محفل ان کے بنا مکمل نہیں ہوتی تھی پر پھر سب بدل گیا۔

طلحہ سوچے جا رہا تھا۔

تم خود کو بدل تو سکتے تھے تمہارے یک لمحے کے غصے نے سب الٹ دیا۔

وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔۔

تمہیں کیا لگتا میں نے کوشش نہیں کی ہو گی؟

میں نے ہر ممکن کوشش کی اور کسی حد تک بدل بھی گیا۔لیکن اس دن شاید میں اس قدر ٹوٹا تھا کہ برداشت کی حدوں سے بات نکلی تھی۔

میں نے ایک بات جانی کہ میں اسے سوائے دکھ اور آنسوؤں کے اور کچھ نہیں دے سکتا ہوں۔

کبھی کبھی کسی کی خوشی اس کی بہتر زندگی کے لئے بھی ہمیں برا بننا پڑتا ہے۔

وہ سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

خود کو اذیت دیتے ہو طلال بھائی۔زرا خود کو دیکھو کتنے بدل گئے ہو آپ۔

اس کی بات پر وہ پھیکی سی ہنسی ہنس گیا تھا۔

اس کو اذیت دینے سے بہتر ساری میں سہہ لوں

جس کی آنکھوں میں اپنے لئے پیار دیکھا ہو انہی آنکھوں میں نفرت کاشت کرنا آسان نہیں ہوتا ہے پر محبت سب کرواتی ہے۔

وہ کچھ تو ہنستی ہے زندگی جیتی ہے جب میں اس کی زندگی میں تھا تب تو میری ناراضگی کا ڈر اسے سہائے رکھتا تھا۔

میں نے بھی قربانی دی محبت تو قربانی کا درس دیتی ہے اس کی خوشی اور مسکراہٹ کے لئے برا بنا کبھی کبھی میں اس کی یونیورسٹی چھپ کر اسے دیکھنے جاتا ہوں ہمیشہ ہنستی ہوئی وہاں سے نکلتی ہے۔جب میں تھا تو ڈری ہوئی اور بھاگتی ہوئی باہر نکلتی تھی کہ باہر میں اس کا انتظار کر رہا ہوں۔

میں نے اس کی مسکراہٹ اسے واپس کر دی بس۔

وہ گاتی ہوئی لڑکیوں میں اس کی آواز شناخت کرتے ہوئے بول رہا تھا۔

وہ خاموش ہو گیا تھا۔

محبت کسی کے ساتھ یا پاس کا نام نہیں محبت میں فاصلے اور دوریاں بھی اہمیت نہیں رکھتیں محبت تو احساس ہے بس جو ہوتا رہتا ہے کوئی،چاہے جتنا بھی دور ہو۔

اس نے بھی اسی اپنے محبت کے پنجرے سے آزاد کر دیا تھا جہاں وہ ڈری سکڑی سہمی بیٹھی رہتی تھی اس کو خود سے بہت دور کر دیا تھا۔

محبت کے کروڑوں استعاروں اور رنگوں میں سے یہ کون سا رنگ تھا وہ نہیں جانتا تھا وہ تو بس اتنا جانتا تھا کہ وہ آج ڈر اور خوف کے سائے تلے نہیں جیتی ہے۔ وہ نیند سے اس کے خوف سے اٹھ کر بار بار موبائل نہیں دیکھتی ہے کہ اگر اس کے میسج یا کال کا جواب جلدی نا دیا تو وہ غصہ ہو گا ناراض ہو گا۔

اس پاگل لڑکی کو ٹھیک سے جو منانا بھی نہیں آتا تھا۔

اس نے تو بس اسے اس کا وہ جہاں واپس کر دیا تھا جس میں وہ ہنسی خوش جیتی ہے۔

میں باہر جا رہا ہوں۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا تھا۔

اوہ کب۔۔؟؟

بس کچھ دن تک۔

وہ سگرٹ پھینک کر گاڑی میں بیٹھا اور فائزہ کی نظروں سے دور ہوتا چلا گیا۔

ان دونوں کی شدید محبت کا یہ انجام ہو گا کسی نے سوچا تک نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

شادی کی گہما گہمی ختم ہو چکی تھی۔ زرشاہ کی چچی عالیہ انتہائی ملنسار اور ہنس مکھ لڑکی تھی اور ساتھ سلقیہ شعار اور مؤدب بھی۔

اس نے آتے ہی سب کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔

زرشاہ کو ایک نیا خوبصورت دوست مل گیا تھا۔

آج کا دن کافی بور تھا وہ سوچ رہی تھی کہ کیا کرے کہ اچانک ہی اسے پرفیسر حماد کا خیال آگیا۔

اس نے تحریم کو فون کیا لیکن وہ بزی تھی۔

کچھ سوچتے ہوئے وہ خود ہی یونیورسٹی جانے کی تیاری کرنے لگی۔

چھٹیوں میں سٹاف اکثر یونیورسٹی میں ہی ہوتا تھا پرفیسرز حضرات تو سٹاف روم ہی بیٹھے ملتے تھے اس لئے اسے یقین تھا کہ پروفیسر حماد بھی وہاں ہی ہوں گے۔ اور جب وہ یونیورسٹی پہنچی تو اس اکا اندازہ درست ثابت ہوا۔

وہ ٹھیک اسی جگہ کیاریوں کے پاس بیٹھے کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔

اس کے قدموں کی آہٹ پر وہ چونکے اور اسے سامنے کھڑے دیکھ کر کتاب بند کر دی۔

کیسا آنا ہوا لڑکی۔۔؟؟

اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے انداز میں وہ مخاطب ہوئے۔

سر۔۔! آپ شادی پر نہیں آئے۔؟ میں نے سوچا تھا آپ آئیں گے۔

وہ اس کی بات سن کر مسکرائے اور بولے۔

میں نے کہا تھا میں ہجوم سے دور رہتا ہوں اس لئے نہیں آسکا۔

معذرت چاہتا ہوں۔

ارے نہیں سر۔۔ معذرت کیسی۔

وہ ان کے معذرت بھرے لہجے پر سٹپٹا گئی تھی۔

معذرت کرنا اور سوری بول دینا بعض اوقات دم توڑتے تعلق میں نئی روح پھونک دیتا ہے۔ سوری کرنا۔۔ اور شکریہ ادا کرنا بہت ہی خوبصورت بات ہے۔

کیا ہم کچھ دیر بات کر سکتے ہیں سر۔۔؟؟

ان کے جواب پر اس نے سر ہلاتے ہوئے پوچھا۔

ہاں کیوں نہیں۔ میں بھی لفظوں سے گفتگو کر کے کچھ اکتا گیا تھا۔

وہ خاموشی سے ان سے کچھ دور بیٹھ گئی اور کتاب کے کونے کو ناخن سے رگڑنے لگی۔

سر آپ روز اسی جگہ کیوں بیٹھتے ہیں۔ اس نے اچانک سر اٹھاتے ہوئے سوال کیا۔

وہ اس کے سوال پر چونکے تھے۔

بس یہاں کسی کی یادیں کھینچ لاتی ہیں۔

کس کی سر۔۔؟

اس نے فوراََ اگلا سوال کیا۔

اس کی جس سے میں محبت کرتا تھا۔

محبت کا ذکر پر زرشاہ چپ ہو گئی تھی۔ اور پروفیسر بھی دور خلاؤں میں جھانک رہے تھے۔

پھر زرشاہ نے ان سے اجازت مانگی اور یونیورسٹی سے باہر نکل آئی۔ جانے کیوں اس محبت کے ڈسے ہر جگہ موجود ہوتے ہیں

۔

دل ہی دل میں سوچتے ہوئے وہ گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

طلال بھائی باہر جا رہے ہیں۔؟؟

فایزہ کی بات سن کر اس کے کنگی کرتے ہاتھ رکے تھے۔

کب۔۔؟؟

چند دن کا کہہ رہے تھے جانے والے ہیں۔کیا تم ان کو آخری بار ملو گی۔۔؟؟

فائزہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

نہیں اب میرا کیا کام ان سے۔۔؟؟

فائزہ نے اپنی بہن کو دیکھا۔

کبھی کبھی مجھے آپ کی سنگ دلی پر حیرت ہوتی ہے آپی۔کوئی لڑکی اتنی پتھر دل کیسے ہو سکتی ہے کہ محبت بھول جائے اور ایک غلطی معاف نہ کرے۔

یہ سارے کھیل محبت کے ہیں کبھی موم کر دیتی ہے تو کبھی پتھر کرتی ہے۔

میں وہ رات کبھی نہیں بھول سکتی ہوں جب میں نے اسے ہزار مرتبہ کالز کیں۔سینکڑوں میسجز کئے پر اس نے جواب دینے کی زحمت تک نہیں کی یہ تک نہیں سوچا کہ میرا کیا حال ہو گا۔

آپی اس وقت ان کی ذہنی حالت کیسی تھی۔اگلے دن وہ آئے تھے پر۔

فائزہ نے جملہ ادھوار چھوڑا تو وہ بولی۔

کچھ باتیں وقت پر ہی اچھی لگتی ہیں۔پیاسے کو مرنے کے بعد پانی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے۔

سوچ لیں آپی طلال بھائی جا تو کچھ دنوں کے لئے رہے ہیں پر سب کو لگتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے جا رہے ہیں اور پھر شاید آپ انہیں دوبارہ نہ ملیں۔

فائزہ اسے کمرے میں چھوڑ کر باہر نکل گئی تھی اور وہ آئینے پر اپنا عکس ڈھونڈتے ہوئے اس واقع کو یاد کرنے لگی جس نے اس کی زندگی میں بہت کچھ بدل کر رکھ دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

شدید بارش ہو رہی تھی اور اس کی گاڑی وقت پر اسے لینے نہیں پہنچ سکی تھی۔

اس لئے وہ یونیورسٹی کے پاس کھڑی تھی جب اس کی ایک کلاس فیلو نے اس کے قریب روکی اور اسے لفٹ دینے کا کہا۔

وہ نئی نئی کلاس میں آئی تھی۔اور زرشاہ سے نارمل ہیلو ہائے تھی۔

زرشاہ شکریہ کہ ساتھ انکار کر دیا۔

کیاہے یار لفت ہی تو ہے میں اسی طرف جارہی ہوں تمہیں ڈراپ کرتی جاؤں گی۔

تیز بارش کی وجہ سے اس نے لفٹ لینا قبول کر لیااور اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

کچھ آگے جاکر اس نے کہا کہ ایک گھر سے نوٹس لینے ہیں اور گاڑی دوسری سڑک پر موڑ دی۔

زرشاہ کیا کہتی چپ رہ گئی۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک کھوٹھی داخل ہوئی۔

اس کی کلاس فیلو نے کہامیں بس نوٹس لیکر آتی ہوں اور گاڑی سے اتر گئی۔

زرشاہ نے کچھ دیر انتظار کیاابھی وہ آئے گی پر اس کی دوست اندر غائب ہو چکی تھی۔

مجبوراً وہ اتری اور اندر کی طرف بڑی ابھی اس نے چند قدم ہی اندر رکھے تھے کہ گیٹ دھماکے سے کھلا اور پولیس والے اندر داخل ہوئے۔

زرشاہ نے چیخ ماری کچھ لیڈیز پولیس نے اس بری طرح پکڑ کر وین میں ڈھالا۔

کچھ دیر بعد اندر سے اس کی کلاس فیلو اور کچھ دیگر لڑکیاں لڑکے بھی لائے بھی گئے۔

تھانے تک جاتے جاتے زرشاہ رو رو کر براحال ہو چکا تھا۔

ان پر ڈرگز اور فحاشی کا الزام لگا تھا۔

زرشاہ کا دل کر رہا تھا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

زرشاہ کی حالت سے تھانے دار کنفیوز ہو رہا تھا کہ وہ اس قسم کی لڑکی دکھائی نہیں دیتی ہے۔اس کا برسوں کا تجربہ تھا۔

اسے الگ کر تھانے دار نے جب پوچھا تو اس نے ساری کہانی بتادی۔

کچھ دیر بعد طلال اور بڑے چچا تھانے میں تھے۔

تھانے دار نے خاموشی سے سب بات بتائی کہ یہ ان لڑکیوں کے ساتھ پکڑی گئی ہے جو نشہ کرتی ہیں۔باقی باتیں سننے سے پہلے زرشاہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

وہاں سے اسے کیسے نکالا گیاوہ نہیں جانتی تھی ہر اسے لگا جیسے وہ جیتے جی مر چکی ہے۔

جب اسے ہوش آئے تو وہ گھر میں تھی۔بڑے چچا کا غصے سے براحال تھااور پھپھو کی زبان زہر اگل رہی تھی۔

اور طلال پتھر بنا ہوا تھا۔

اس نے طلال کو آواز دی۔

طلال تم انہیں بتاؤ نا کہ میں ایسی نہیں ہوں۔

ہر وہ جیسے سن ہی نہیں رہا تھا۔

طلال انہیں بتاؤ نا کہ زرشاہ ایسی نہیں ہے۔

وہ چلائی تھی۔

تم جیسی۔

طلال نے زہر خند لہجے میں جملہ ادھورا چھوڑا۔

اور پھر وہ اسے کٹہرے میں سب کے سامنے اکیلا چھوڑ کر چکا گیا۔

اس نے سب کی باتیں سن لیں اور پھر کمرے میں جی بھر کر روئی۔

ساری رات اسے نے طلال نے کو کالز کیں۔

ہزار میسج کئے کہ وہ ایسی نہیں ہے پر طلال نے جواب نہیں دیا۔وہ سب کی نظروں میں گر چکی تھی۔پر اسے سے زیادہ دکھ یہ تھا کہ وہ اپنی نظروں میں گر چکی۔جسے وہ چاہتی تھی اس تک نے اس پر اعتبار نہیں تھا کہ اور اسے یوں اکیلا چھوڑ گیا۔

بیڈ لیٹے ہوئے وہ چھت کو گھوریت جارہی تھی اور اس واقعہ کی کرچیاں اس کے بدن پر ایک مترببہ پر زخم ڈال گئیں تھیں۔

اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو بے دردی سے پونچھتے ہوئے وہ اٹھ بیٹھی۔

کزن تم اس دن سے میرے دل نکلے ہوئے اور میں چاہ کر بھی تمہاری طرف لوٹ نہیں سکتی ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بارش نے اچانک ہی زمین کو مخاطب کیا تھا۔

وہ انہماک سے پرفیسر کی باتیں سن رہی تھی جب اچانک بوندا باندی شروع ہوئی اور جب تک وہ لان ملحقہ ٹین کے چھت کے نیچے پہنچتے بارش تیز ہو چکی تھی۔

سر آپ کو بارشیں پسند ہیں۔۔؟؟

کلائیوں کو باہر بارش میں کرتے ہوئے وہ ان سے مخاطب ہوئی تو وہ مسکرا دیئے۔

بارشیں کسے نہیں پسند ہیں۔یہ روح میں سکون نازل کرتی ہیں۔جب طویل عرصہ سے بارشیں نہ ہوں تو زمین کے ساتھ ساتھ روح بھی اجاڑ محسوس ہونے لگتی ہے۔

تخلیق کار بارشوں کو اس لئے ہی پسند کرتے کہ ان میں ان کی صلاحیت زیادہ تیزی سے کام کرتی ہے اور تخلیق کا بیج خیال سے نکل کر لفظوں، تصویروں میں ڈھلتا ہے۔

پر میرا سوال تو آپ سے تھا۔

ہاں مجھے بھی بارشیں پسند ہیں۔

لان سے پھولوں اور مٹی کی خوشبو سرہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی ان تک آنے لگی تھی۔

کچھ لوگ خوشبو کی طرح ہوتے ہیں بس محسوس ہوتے ہیں۔

اور محبت بارش میں بھیگتی مٹی کی خوشبو کی طرح ہوتی ہے روح میں اتر جاتی ہے۔ جتنا محسوس کرو اور شدت سے تشنگی بڑھاتی ہے۔

انہوں نے دل میں سوچا اور ساتھ کھڑی اپنی سٹوڈنٹ کو دیکھا۔

ٹین کی چھت پر بوندیں تواتر سے شور کر رہی تھیں اور وہ جیسے ان کی موجودگی کو فراموش کر بیٹھی تھی۔ اسے بارشیں پسند تھیں۔ اور بارشوں میں نہانا بھی۔

کچھ دیر بارش ان کے بیچ بھید بھری سرگوشیاں کرتی رہی اور پھر وہ جیسے چونکتے ہوئے بولی۔

مجھے بارشوں سے شکایت ہے کہ یہ جلد رک جاتی ہیں۔

وہ ہنسے۔

بارشوں کی ایک یہی بات تو بری ہوتی کہ وہ رک جاتی ہیں۔ ہمیشہ برستی نہیں ہیں۔ موسم کے ساتھ ساتھ ان کا مزاج بھی بدلتا ہے۔ ساون میں جی کھول کر برستی ہیں تو دسمبر میں خاموشی کے ساتھ روتی ہیں۔

بارشیں اور لوگ ایک جیسے ہی تو ہوتے ہیں۔

وہ کیسے۔۔؟؟

وہ کچھ دیر اس کے سوال پر سوچتے رہے اور پھر بولے۔

لوگ بھی جلد ہی رک جاتے ہیں کبھی کبھی تو موسمی بوچھاڑ کی طرح ہوتے ابھی ہم مکمل بھگتے نہیں کہ سورج نکل آتا۔

اسی طرح کچھ لوگ ایسے ملتے جنہیں ابھی ہم محسوس ہی کر رہے ہوتے کہ وہ راستہ بدل دیتے ہیں۔ کچھ اپنی مرضی سے کچھ تقدیر کی مرضی سے۔

بارشوں اور انسانوں کی تقدیر ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔

کب ساتھ چلیں کب بچھڑ جائیں، کب برسیں کب نہ برسیں۔

آپ نے ٹھیک کہا۔

وہ بارش کو دیکھتے ہوئے کسی بادل کی طرح لگ رہی تھی جس کے اندر طوفان چھپا ہو۔بہت کچھ کہنے کا۔

جب تک بارش برستی رہی وہ وہیں کھڑے منظروں کو بھیگتا دیکھتے رہے۔

بارش رکتے ہی اسے جانے کی جلدی ہوئی اور وہ خدا حافظ بول کر تیز تیز قدم اٹھاتی ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

اور وہ خاموشی سے اسے جاتا دیکھتے رہے اور سوچتے رہے۔

بارشیں اور لوگ بہت کم وقت کے لئے ملتے ہیں اور پھر بچھڑ جاتے ہیں۔

آسمان پر سورج کی دھوپ اور لوگوں کے اوپر جدائی کی دھوپ نکل آتی ہے۔!

☆☆☆☆☆☆☆☆

احمد نے اسے لان میں تنہا بیٹھے دیکھا تو اس کے پاس چلا آیا۔

ہیلو۔

ہائے۔وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔۔؟؟

ہاں کیوں نہیں۔

وہ خاموشی سے اس کے پاس بیٹھ گیا۔

کیسا رہا ٹور پھر۔۔؟؟

اس نے بات شروع کی تو وہ مسکرا کر بولی۔

بہت ہی خوبصورت تھا۔کافی انجوائے کیا اور بہت ساری اچھی یادیں ملیں ہیں۔جو ہمیشہ یاد رہیں گی۔

احمد نے خاموشی سے اس کی بات سنی۔

وہ اس سے سے کچھ کہنے آیا تھا پر کیسے کہے یہ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی۔

مجھے کچھ کہنا ہے آپ سے۔

کافی دیر چپ رہنے کے بعد وہ بولا تو وہ چونکی۔

جی کہیں۔۔؟؟

میں بس سوچ رہا تھا کیسے کہوں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ دل کا راز کیسے بتاؤں آپ کو۔

وہ ہچکچاہٹ کا شکار تھا۔

میں سمجھی نہیں۔۔؟؟

زرشاہ کی پیشانی پر سوچ کی لکیریں پڑیں۔

احمد کچھ دیر لفظ اکھٹے کرتا رہا اور بولا۔

میں نے جب سے آپ کو دیکھا ہے مجھے لگتا ہے جیسے میں خود کو ملا ہوں۔ آپ کے ساتھ گزارے گئے لمحات میری زندگی کی خوبصورت ترین پل تھے۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔

احمد نے بڑی مشکل سے کہا اور اس کے ءچہرے کو دیکھا جہاں کسی ہلکا سا غصہ تھا۔

زرشاہ کھڑی ہو گئی تھی۔

دیکھیں مجھے برا نہ سمجھیں میں بس وہ۔۔احمد کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کہے وہ۔

دیکھیں میں غلط نہیں سمجھ رہی ہوں۔ پر آپ ایک بات جان لیں کہ میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں۔ اس سے جس کے میں نکاح میں ہوں

زرشاہ کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے تھے جن پر خود بھی حیران رہ گئی تھی۔

پھر وہ وہاں رکی نہیں تھی۔

اور احمد اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔

کچھ راز کہہ دینے سے انسان کے پاس کچھ نہیں بچتا ہے۔

احمد کے پاس بھی کچھ نہیں بچا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اس کی کل فلائٹ تھی اور وہ آخری بار بابا جی سے ملنے آیا تھا۔

بابا کل میں جا رہا ہوں دعا لینے آیا ہوں۔ ان کے پاس بیٹھتے ہوئے طلال نے کہا تو وہ ہنسے۔

آپ میری باتوں پر ہنس کیوں جاتے ہیں۔۔؟؟

طلال کو حیرت ہوئی تھی۔

تمہیں جانے کی بڑی جلدی ہے پتر۔

جانا تو ہوتا ہے بابا۔

ہاں جانا تو ہے پر جانے میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے ہے۔ بابا رحیم، نے طلال کی پیشانی کو دیکھا جہاں سجدے کا نشان تھا۔

ایک سکون سا ان کے دل میں اس نشان کو دیکھ کر اترا۔

پھر انہوں نے طلال کو کاندھوں سے پکڑ کر قریب کیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بولے۔

عشق کے ق میں قبولیت ہے پتر۔ اور قبولیت بڑا اشرف ہے۔ چاہے وہ عبات کی ہو، دعا کی یا عشق کی۔

طلال نے نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھا۔

میرا عشق تو راستے میں رہ گیا بابا۔

ارے پگلے۔ پھر وہی بات۔

خود سے کیوں فیصلے کرتے ہو۔ جب ہم رب پر فیصلہ چھوڑتے ہیں تو وہ سوہنا رب بڑا خوبصورت فیصلہ کرتے ہیں۔

طلال ان کے کے پاس کافی دیر بیٹھا رہا اور پھر نم آنکھوں سے بولا۔

بابا آپ نے مجھے اللہ سے ملوا دیا۔ وہ مجھے ملے نہ ملے پر میری پیشانی کو آپ نے سجدوں کی لذت عطا کر دی۔ میرے دل کو ذکر کے سکون سے آشنا کر دیا ہے۔

کہیں دبی ہوئی خلش اب بھی ہے کہ ابھی کمزور ہوں پر اللہ اور اس کی محبت سیکھ رہا ہوں۔

پتر! اس اللہ کی محبت کو عام کر دو۔ کہ جہاں سے گزرو وہاں نور پھیل جائے۔ ذکر کی خوشبو پھیل جائے۔ بھٹکے ہوؤں کو راستہ ملے اور گمراہوں کو ہدایت مل جائے۔

میں گناہ گار ہوں بابا۔

طلال کی آنکھوں میں نمی گہری ہوئی۔

رب کے ہاں گناہ کرنے والے برے قیمتی ہیں جب وہ اس کی طرف لوٹ آئیں۔ توبہ کے بعد انسان معصوم نومولود بچے کی طرح پاک ہو جاتا گناہوں سے۔ جو مدت بعد رب سے ملتے ہیں رب کی بڑی مانتا ہے پتر۔

طلال بڑی دیر ان کے پاس بیٹھا رہا۔

اور پھر جدائی کا وقت آ گیا۔

وہ جانے کے لئے کھڑا ہوا اور درگاہ کو نم آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اپنی گاڑی میں جا بیٹھا۔

بابا جی اسے جاتا دیکھ رہے تھے۔

جاپتر۔۔

تیری منزل تیرے قریب ہے۔

بابا نے ہولے سے کہا اور طلال کی گاڑی درگاہ سے نکل کر ان کی نظروں او جھل ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

دیکھو بیٹی ہمارے خاندان میں رشتے ایسے نہیں ٹوٹتے ہیں جانتی ہوں کہ جو کچھ ہوا وہ برا تھا پر اس کی سزا تم خود کو اور ساتھ ہمیں تو نہ دو۔ ہمارے خاندان میں ایسا کبھی نہیں ہوا تم جانتی ہو تمہارے بابا تمہاری وجہ سے کتنے اپ سیٹ ہیں تم جانتی ہو۔ ابھی تک میں نے ان کے سامنے تمہارا مطالبہ نہیں رکھا ہے اس لئے ایک بار پھر سوچ لو۔ تمہارے باپ کی عزت اور پورے خاندان کے وقار کا سوال ہے۔

زرشاہ اپنی ماں کی باتیں خاموشی سے سن رہی تھی۔

میں چاہتی ہوں کہ تم مضبوط بنو۔ طلال کوئی برا لڑکا نہیں ہے اس رات اسے بھی چوٹ لگی تھی اور اس کی جگہ کوئی بھی اور ہوتا جس کے نکاح میں موجود لڑکی ایسے اچانک کسی برے سکنیڈل میں پھنس جاتی تو اس کا یہی رد عمل ہوتا۔ ہم جتنا کسی سے محبت کرتے ہیں اتنا ہی اس کی طرف سے ملنے والی تکلیف کو زیادہ محسوس کرتے ہیں۔

چوٹ جتنے قریب سی لگتی ہے اتنی ہی گہری ہوتی جسے بھرنے میں وقت لگتا ہے۔

میں چاہتی ہوں کہ تم خود کو اور اس رشتے کو تھوڑا سا وقت دو۔

طلال کے جانے میں کچھ دن ہیں ابھی تک۔ پھر جو فیصلہ تم کرو گی وہ ہمیں منظور ہو گا۔

ماما۔!!

میں مزید کچھ سوچنا نہیں چاہتی ہوں۔۔۔ عورت کے لئے یہ لفظ۔۔"تم جیسی" پاتال سے بھی گہرا ہے۔ میں وہاں گری ہوں جہاں سے واپس کوئی اٹھ نہیں سکتا ہے۔ آپ بابا سے ابھی بات کریں جا کر۔ میں اس بوجھ سے آزاد ہونا چاہتی ہوں۔

طاہرہ بیگم نے بے بسی سے اپنی بیٹی کو دیکھا اور پھر طویل سانس لیکر رہ گئیں۔

ٹھیک ہے میں آج شام تمہارے بابا سے بات کرتی ہوں۔

وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کمرے سے باہر نکل گئیں تو زرشاہ نے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو صاف کیا۔

وقت کتنی تیزی سے بدل جاتا ہے کون جانتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ روزہ رسول ﷺ کے سامنے کھڑا دعا مانگ رہا تھا۔

آے میرے رب میں آج یہاں ہوں اس لئے کہ یہاں تیرا محبوب ہے اور اس کے صدقے میں تجھ سے اپنا محبوب مانگتا ہوں۔ میں تیرے گھر خانہ کعبہ آتا پر مجھے تجھ سے حیا آئی کہ میں تجھ سے تیری ایک بندی کا سوال کرتا۔

اے محرم دل۔

تُو میرے قلب کی گہرائیوں میں چھپے راز جانتا ہے۔

اے خداؤں کے خدا۔

دل غم کی شدت سے بوجھل ہو چکا ہے اور پلکیں آنسوؤں کی حدت سے جل رہی ہیں۔

وہ محبت جسے تُو نے آسمان سے میرے دل پر اتارا اس نے مجھے توڑ دیا ہے۔ وہ محبت جو میرے دل میں تُو نے پیدا کی کہ تُو سراپا محبت و شفقت ہے میں تجھ سے تیرے حبیب کے صدقے اس محبت کا سوال کرتا ہوں۔

میں جانتا ہوں یہاں مانگنے والے دنیا نہیں مانگتے ہیں پر میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں میں جنت تک تیری اس بندی کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تجھ سے ملا دے جو میری زندگی کو تیرے تابع کر دے۔

اے خدا مجھے مانگنے کا ڈھنگ نہیں آتا ہے۔

پر میرے آنسو میری بے قراری اور میری خالص خواہش کو یقیناً بیان کریں گے۔

اے رب کعبہ۔۔!!

میں تجھ سے اس کو مانگتا ہوں جس کا ہاتھ پکڑ کر میں حرم میں داخل ہو سکوں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر میں جنت تک کا سفر کروں

۔

طلال کے گال آنسوؤں سے تر ہو چکے تھے۔

وہ خاموشی سے پلٹا اور مسجد نبوی کے صحن میں سجدے میں گر گیا۔

شاید محبت ہی ہمارے جذبوں کو اور ہماری عبادت کو خالص کر دیتی ہے کہ جب ہم خدا کے آگے جھکتے ہیں تو ہمارا بدن اور دل و روح ساتھ جھکتے ہیں۔

دل کا سجدہ قبول ہو ہی جاتا ہے۔ بس تھوڑا وقت لگتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

طلال کو یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی دعا اتنی جلدی قبول ہو جائے گی۔وہ مدینہ سے کل ہی لوٹا تھا جب اس کو کال آئی کہ زرشاہ مان چکی ہے تو اسے لگا جیسے وہ دوبارہ سے جی اٹھا ہے۔

تم جانتے ہو میں اپنے بابا کی عزت کے ہاتھوں مجبور ہو کر مانی ہوں انہوں نے ساری زندگی مجھے دیا ہے اور بدلے میں کبھی کچھ نہیں مانگا ہے اور پہلی بار انہوں نے مجھ سے کچھ مانگا ہے۔

میں محض بیٹی ہونے کا فرض نبھا رہی ہوں اس لئے میں رخصتی پر تیار ہوئی ہوں۔ایک بات یاد رکھنا کہ میں نام کی حد تک تمہاری بیوی ہوں تمہارا نام میرے نام کے ساتھ لگا ہے اور بس یہی ہمارا تعلق ہے اس سے زیادہ تم کبھی مجھ سے کچھ نہیں مانگ سکتے ہو میں تمہیں کوئی بھی حق نہیں دوں گی۔

تم چاہو تو خود اس سے انکار کر سکتے ہو۔تم مجھے کبھی بھی پا نہیں سکتے ہو،۔

طلال کے ہونٹوں پر ایک نرم سی مسکراہٹ کھلی۔

جو زندہ رہنا چاہتے ہیں وہ کبھی بھی سانس لینے سے انکار نہیں کرتے ہیں اور میں تمہیں پانا نہیں چاہتا ہوں۔میں تو زندگی کی ہر سانس میں تمہیں جینا چاہتا ہوں۔

بے فکر رہو میں کبھی بھی تم پر حق نہیں جتاؤں گا۔

زرشاہ نے اس کی مسکراہت دیکھی۔

تمہیں لگتا ہے تم جیت چکے ہو۔۔؟؟

نہیں۔میں تم سے ہار کر رشتہ جیتنا چاہتا ہوں۔میری ہار ہی میری فتح ہو گی۔

مجھ جیسی لڑکی سے ہارنا چاہتا ہو حیرت ہے۔

زرشاہ نے طنز کیا۔

طلال چپ رہا۔

کیوں اب کوئی جواب نہیں تمہارے پاس کیا۔۔؟؟

خاموشی بہترین جواب ہے۔کچھ سوالات کو وقت پر چھور دینا اچھا ہوتا ہے۔

طلال نے سر جھٹکا اور سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے بولا۔

ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب تم اپنی مہار میرے ہاتھ میں پکڑاؤ گی اور کہو گی جس رستے پر چاہو چلاؤ۔پر یقین جانو تب بھی میں تمہیں آزاد رکھوں گا اور تم خود میرے قدموں کے نشانات کو ڈھونڈ کر میرے پیچھے آؤ گی۔

یہ تو وقت بتائے گا۔زرشاہ نے کاندھے اچکائے تو وہ مسکرایا اور دھیمے سے بولا۔

ہاں،،!!مجھے اسے وقت کا شدت سے انتظار۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

کیسی ہو راج دلاری۔؟؟

طلال نے اسے چھیڑنے کی خاطر کہا تو زرشاہ نے غصے سے اسے دیکھا۔

مجھ سے بات کرتے ہوئے تہذیب میں رہا کرو مسٹر۔

تہذیب میں ہی رہتا ورنہ تمہیں دیکھ کر یقین کرو میرا دماغ خلل کا شکار ہو جاتا ہے۔بہت ساری باتیں میں سنسر کرتا ہوں جہنیں تم سن لو تو۔

چپ کر کے بیٹھو اور زیادہ ناٹک نہ کیا کرو سمجھے۔شادی کے لئے مان کیا گئی تم تو سر پر ہی چڑھنے لگے ہو۔

زرشاہ نے اس کی بات ٹوکی تو طلال قہقہ لگا کر ہنسا۔

آپ کا احسان ہے ناچیز پر۔

ورنہ میں تو سوچ رہا تھا کہ تم اگر نہیں مانو گی تو پھر تمہاری یاد میں مجھے اپنی بیٹی کا نام 'زرشاہ' رکھنا پڑے گا۔

سٹوپڈ انسان ہو تم۔خدا جانے مجھ سے ایسا کون سا گناہ سرزد ہوا تھا جس کی پاداش میں میرے پلے "طلال ابراہیم" پڑا۔

تم بڑی زیادتی کر دیتی ہو زری یہ تو غلط بات ہے نا۔

ہونہہ۔!کیسے غلط بات ہے۔؟؟ٹھیک کہہ رہی میں۔

دیکھو یہ جو تم نے ابھی کہا یہ تو میرے ڈائلاگ بنتا تھا۔کہ جب تم میری بیوی بنتی اور عشق کا بھوت میرے سر سے اتر جاتا تو میں سگرٹ سلگا کر دھواں اڑاتے ہوئے کہتا۔

کیا نصیب پایا ہے طلال ابراہیم تم نے کہ محبت بھی کی تو زرشاہ جیسی کھڑوس لڑکی سے اور اس پر اپنی حماقت دیکھو کہ شادی بھی اسی سے کرلی۔حد ہے۔

طلال نے شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو اس کا چہرہ مزید بگڑا۔

یہ تو ماما نے اپنے بھائی کو دیکھتے ہوئے رشتہ دے دیا تھا ورنہ اپنی حرکتیں دیکھو ایک نمبر کے لفر اور لچے انسان لگتے ہو۔یہ تو تمہارا نصیب ہے کہ تمہیں زرشاہ مصطفیٰ جیسی خوبصورت اور پڑھی لکھی لڑکی ملی ہے سمجھے تم۔

ہاں سمجھ گیا میں۔طلال نے سر ہلایا۔

کیا سمجھے۔۔؟؟

یہی کہ تمہیں زندگی میں کم از کم ایک بار تو ضرور غور سے آئینہ دیکھنا چاہئے تھا۔

طلال نے سنجیدگی سے کہا۔

بھاڑ میں جاؤ تم۔زرشاہ نے جھلا کر کہا اور پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے اٹھی۔

اچھا میری بات تو سنو۔

طلال نے پیچھے سے اسے پکارا۔پر وہ ان سنی کرتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی تو طلال نے زیر لب مسکرایا اور دل میں بولا۔

تمہیں میری محبت جھکائے گی زرشاہ اور وہ دن جلد آئے گا جب تم خود کہو گی طلال ابراہیم ہی تمہارے آسمان ہے۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ان کی شادی کو دوسرا دن تھا۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی تھی اور وہ بیڈ پر لیٹا اسے دیکھ رہا تھا۔

اس نے آنکھوں میں کاجل ڈالی تو طلال نے سیٹی بجائی۔

زرشاہ کی پیشانی پر شکنیں پڑیں،اس نے دوبارہ شرارت سے سیٹی بجائی وہ غصے سے پلٹی۔

کیا مسئلہ ہے تمہیں۔یہ کیا حرکت ہے۔۔؟؟

تم یوں غصہ کر رہی جیسے میں نے کسی اور کی بیوی کو دیکھ کر سیٹی بجائی ہو ویسے بھی میں کچھ کر سکتا ہوں آخر کو تم میری اکلوتی بیوی ہو۔

تمہیں پتا ہے تم ایک نمبر کا لوفر انسان ہو طلال۔

طلال نے بے غور اسے دیکھا۔

سرخ اور کالے رنگ کے کپڑوں میں وہ ہمیشہ کی طرح حسین لگ رہی تھی۔

آج بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔

اس نے ترچھی نظر سے آئینے میں اسے دیکھا۔

مجھے تمہاری تعریف کی ضرورت نہیں ہے۔

طلال نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر اٹھ کر اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

اسے اپنے قریب پا کر زرشاہ نے پلٹی۔تم بھول رہے ہو کہ تمہیں مجھ سے دور رہنا ہے تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم۔

طلال یک دم اپنی انگلیاں اس کے ہونٹوں پر رکھی تھیں زرشاہ کی دھڑکنیں تیز ہوئیں تھیں۔

وہ کچھ دیر اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا پھر واپس بیڈ پر جا بیٹھا اور دھیرے سے بولا۔

طلال ابراہیم کبھی کچھ نہیں بھولتا ہے۔

کبھی بھولنا بھی مت، خود کو سنبھالتے ہوئے زرشاہ نے تنبیہ کی غصے سے روازے کی سمت بڑھی۔

اس کا پاؤں اٹھی ہوئی قالین کے کونے سے الجھا اور اگلے ہی لمحے وہ بیڈ لہراتی ہوئی طلال کے اوپر گری تھی۔

ایسا بھی کیا غصہ کہ انسان بانہوں میں آگری۔

طلال نے شوخی سے کہا تو زرشاہ نے اسے پرے دھکیلا۔

ویسے اچھا لگا مجھے ایسے ہی گرتی رہا کرو۔۔ مجھ پر۔۔ طلال کی آواز سن کر وہ مزید تپی تھی۔

نانسنس۔۔

دروازے کو زور سے بند کرتے ہوئے اس نے کہا

اور پاؤں پٹختی ہوئی دروازے کی طرف گئی۔ اور جواب میں طلال کا بلند قہقہ اسے مزید جلا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

طلال لان میں بیٹھا چائے پی رہا جب اس نے زرشاہ کو طوفان کی طرح اپنی طرف آتے دیکھا اور مسکرا دیا۔

اسے علم تھا ابھی وہ اس پر برسے گی۔

ابھی وہ اس چند قدم دور ہی تھی کہ اس کا پاؤں الجھا۔

اوئی ماں۔ وہ زمین بوس تھی۔

طلال نے قہقہ لگایا تھا پر دوسرے لمحے زرشاہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر تیزی سے اٹھا۔

کیا ہوا زری تم ٹھیک تو ہو وہ اس پر جھکا۔

پرے ہٹیں میں ٹھیک ہوں۔ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی اور پھر کراہ کر واپس گرنے ہی لگی تھی کہ طلال نے اسے تھام لیا۔

اپنے اس لئے ہی ہوتے ہیں کہ جب آپ گرنے لگیں تو وہ آپ کو تھام کر گرنے نہ دیں۔

نرمی سے کہتے ہوئے طلال نے اسے مضبوطی سے تھاما تھا۔

اس کا پاؤں مڑا تھا طلال کو اندازہ ہوا کہ وہ اب چل نہیں پائے گی۔

زر شاہ نے ایک قدم ڈالا تھا اور پھر چیخ نکلی تھی اس کے منہ سے۔

حضور والا بندے کے خیال میں اب آپ کو اٹھا کر اندر لے جانا پڑے گا۔

طلال نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔

خبر دار جو تم نے ایسی کوئی حرکت کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔

تم سے برا ویسے بھی کوئی نہیں ہے۔

طلال نے بے پروائی سے کہا اور اسے اٹھالیا۔

طلال مجھے نیچے اتاریں میں کہہ رہی ہوں۔

پر وہ کہاں سن رہا تھا۔

وہ اب اس کے سینے پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے چلا رہی تھی۔

طلال نے شکر کیا کہ چھوٹی کالج تھی اور امی پڑوس میں گئیں تھیں۔

ایسا موقع پھر جانے کب ملے اب نصیب سے مل ہی گیا ہے مجھے اس سے فائدہ اٹھانے دو۔

زر شاہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس انسان کا سر توڑ دیتی۔

طلال نے اندر آکر اسے بیڈ پر لٹایا اور اس کے پاؤں سے جوتے اتار کر اس کا پاؤں دیکھنے لگا۔

ہلکی سی سوجن وہاں آچکی تھی۔

چھوڑو میرے پاؤں۔ وہ مسلسل چلا رہی تھی۔ طلال نے اسے گھورا۔

ایک وہ بیویاں ہوتی ہیں جو دعا کرتی ہیں ان کے شوہر پاؤں پلڑے رہیں اور ایک تم ہو کہ چھڑانے کی بات کرتی ہو۔

میں کہہ رہی ہوں چھوڑو مجھے چھوؤ مت۔

اس حالت میں بھی زر شاہ کے تیور وہی تھے۔

ارے ایسے کیسے چھوڑوں ان پاؤں میں میرے بچوں کی جنت ہے بھئی۔

طلال نے اس کا موڈ مزید خراب کرنے کے لئے کہا تو وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔

طلال نے ٹاول گرم کیا اور نرمی سے متاثرہ جگہ پر رکھا۔

امی آجائیں ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔

ضرورت نہیں۔ زر شاہ نے منہ بنایا۔

ایک بات تو بتاؤ زری۔

تم بچپن سے ہی اتنی کھڑوس ہو یا بعد کسی حادثے جیسے سر پر چوٹ وغیرہ لگنے سے ایسی ہو گئی ہو۔۔؟؟

ڈور بیل پر طلال چونکا اور اسے وہاں چھوڑ کر باہر نکلا۔

کچھ دیر بعد طلال کی امی اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئیں۔

کیا ہوا ہماری پیاری کو۔

وہ اس کے پاس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پیار سے بولیں۔

کچھ نہیں آنٹی بس موچ آگئی ہے ٹھیک ہو جائے گی۔

طلال گاڑی نکالو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔اس کی بات کو ان سنی کرتے ہوئے انہوں نے بیٹے کو حکم دیا۔

وہ انکار کرتی ہی رہ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ابھی آفس سے واپس آیا تھا اور وہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی ہوئی اسے دکھائی دی تھی وہ اس کے پاس آبیٹھا۔

کیا کھاؤ گے۔۔؟؟

زرشاہ نے جیسے فارمیلٹی پوری کرنے کے؛ لئے پوچھا۔

تمہیں۔۔!!۔۔طلال نے دانت نکالے۔

ایڈیٹ انسان۔وہ جھلائی

کچھ پینے کا نہیں پوچھو گی۔۔؟؟

بلکل بھی نہیں۔

اچھا میں خود بتا دیتا ہوں ایسی بھی کیا بے اعتنائی ہے۔

تم کچھ بھی بولے تو منہ نوچ لوں گی تمہارا میں سمجھے تم۔زرشاہ نے اسے گھورا۔

اچھا بابا کچھ نہیں کہتا بس ایک بات تو سنو۔

ہاں بولو۔!پر خبردار جو کوئی ایسی ویسی بات کی تم نے تو۔

میرا دل کر رہا ہے کہ آج سے میں تمہیں جان کہوں۔

وٹ۔؟زرشاہ بری طرح چونکی۔

اتنا چیپ لگتا مجھے یہ لفظ سوچنا بھی مت۔

اچھا میری ایک بات مانو وہ ہاتھ واش کر آؤ پھر کھانا لاؤ اور میرے پاس بیٹھ کر ہوا دو اس سے مجھے۔

پھنکے اور اے سی ڈیکوریشن کے لئے نہیں لگائے ہوئے ہیں سمجھے۔

وہ تو ٹھیک ہے پر میں تھوڑی قدیم میاں بیوی والی فیلنگز لینا چاہتا ہوں نا۔ طلال نے چہکا۔

سر نہ توڑ دوں تمہارا میں۔؟؟ زرشاہ نے اسے گھورا۔

بنا سر والے شوہر کا کیا کرو گی سب چھیڑیں گے تمہیں۔

وہ بھنا کر اٹھی۔ اس سے باتوں میں جیتنا ممکن کہاں تھا۔

رخشندہ کھانا لگا دو صاحب آ چکے ہیں۔

ملازمہ کو آواز دیکر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور طلال مسکراتا ہوا فریش ہونے کے لئے اس کے پیچھے چل پڑا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

میں یورپ جا رہا ہوں ایک مہینے کے لئے۔

طلال اسے بتا رہا تھا۔

تو میں کیا کروں۔۔؟؟

وہ میگزین پڑھتے ہوئے بے پروائی سے بولی تو اس کے پاس بیٹھ گیا۔

کب تک ایسا کرو گی تم۔؟

اس کے ہاتھ سے میگزین لیتے ہوئے وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

جب تک آپ ٹوٹ نہیں جاتے ہیں۔ وہ رحمی سے بولی تھی۔

ایک بات یاد رکھنا اگر میں ٹوٹا تو بکھرو گی تم بھی اور تب تمہیں سمیٹنے والا بھی کوئی بھی نہیں ہو گا۔

خوش فہمی ہے تمہاری۔

اسے خود شناسی کہتے ہیں۔ وہ نرمی سے بولا۔

میری اگلے ہفتے فلائیٹ ہے میں ایک مہینے بعد لوٹوں گا۔

اور ہاں۔!!

جو محبت کرتے ہیں وہ محبوب کی آنکھ میں آنسو لانے کی وجہ نہیں بنتے ہیں۔ اس لیئے میں تمہیں ہنساتا ہوں اس لئے اگر کبھی

تمہیں 'طلال ابراہیم' کی کبھی یاد آئے تو ہنسی پر آئے نہ کہ آنسو پر۔

وہ دھیمے کہتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا

زرشاہ نے ایک نظر دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے وہ نکلا تھا اور پھر میگزین اٹھا کر پڑھنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح آفس جاتے ہوئے ان کہا تھا کہ آج کھانا خود بنانا اور اب زرشاہ نے جان بوجھ کر کجانے میں مرچیں تیز کر کے اور جلا کر اس کے سامنے رکھا تھا ہر مجال ہے اس نے کوئی رد عمل دیا ہو۔ بلکہ وہ یوں مزے سے کھا رہا جیسے انتہائی لذیذ ہو۔

آج بہت اچھا کھانا بنا ہے۔ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اس نے کہا زرشاہ جل بھن گئی۔

وہ اس کے چہرے کو دیکھ کر مسکرایا اور پھر اٹھتے ہوئے بولا۔

آج لگا واقعی زراہ نے کھانا بنایا ہے۔

بلکل اپنے جیسا جلا ہوا۔ مرچ تیز تھی پر تم جتنی نہیں کہ تم تھیکی مرچی ہو۔ ذائقہ اچھا تھا پر تم زیادہ ٹیسٹی ہو۔

اس کے تبصرے پت زرشاہ کا دل کیا پلیٹ اٹھا کر اس کے منہ پر دے مارے۔

کمینہ کہیں کا۔

وہ زیر لب بولی تھی پر اس نے سن لیا تھا س لئے جاتے جاتے پلٹ کر اس کے پاس آیا اور اس پر جھکتے ہوئے بولا۔

تعریف کے جواب میں اس طرح شکریہ زری ہی ادا کر سکتی ہے اس لئے تو وہ مجھے پسند ہے۔

اس کا ناک کھینچ کر وہ اس کے ضبط کو آزما رہا تھا۔

پرے مرو۔

وہ بھنا کر کھڑی ہوئی تو طلال نے اس کی کلائی پکڑی۔

کل میں جا رہا ہوں زری۔ ہو سکتا ہے میری جدائی تمہیں موم کر دے اور تم پہلے کی طرح میری ہونے کے لئے لوٹ آؤ۔

پر پتا نہیں کیوں مجھے ڈر ہے کہ تم مجھے کھو دو گی۔

اگر ایسا ہوا تو پھر مجھے دوبارہ ڈھونڈ نا مت کیوں کے کچھ لوگ اگر کھو جائیں تو دوبارہ نہیں ملتے ہیں۔

اگر تمہیں لگتا ایسی جذباتی باتوں سے مجھے فرق پڑتا تو تم غلط ہو۔

اس کے ہاتھوں سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے زرشاہ نے سختی سے کہا اور اسے سوچوں میں چھوڑ کر وہاں سے لوٹ آئی۔

کبھی کبھی کچھ گناہوں کی سزا انسان بہت سکت دیتے ہیں۔

زرشاہ نہیں جانتی تھی کہ اس سے انسان سے نفرت کر رہی ہے جو اسے دیکھ کر جیتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ہائی وے پر طلال کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور اسے شدید زخمی حالت میں ہسپتال منتقل کر دیا گیا ہے۔

یہ خبر زرشاہ پر قیامت بن کر ٹوٹی تھی۔اور وہ سن کر ہوش کی دنیا سے بے ہوشی کے سفر پر روانہ ہو چکی تھی۔

اس کے دل میں آخری خیال طلال کو ہمیشہ کے لئے کھو دینے کا تھا۔

جب اس نے ہوش کی سرحد پر واپس قدم رکھا تو فائزہ اس پر جھکی ہوئی تھی۔

طلال کیسا ہے۔؟؟اس نے ہوش میں آتے ہی سوال پوچھا۔

فائزہ اسے ہوش میں آتے دیکھ کر خوشی سے سے امی کو آوازیں دینے لگی۔

کچھ دیر بعد عائشہ بیگم بھی اس کے سامنے تھیں۔

امی طلال کیسا ہے وہ۔۔۔؟؟

وہ ٹھیک ہے تم زیادہ سوچو نہ۔

عائشہ بیگم نے جانے کیوں اس سے نظریں چرا لیں تھیں۔

مجھے اس کو دیکھنا ہے امی۔اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو اس کے سر میں شدید درد اٹھا اور وہ کراہ کر رہ گئی۔

وہ ٹھیک ہیں آپی، پلیز آپ ذہن پر زور نہ دیں

فائزہ روہانسی ہوئی۔

تم سب مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہے ہو۔۔؟؟مجھے سچ سچ بتاؤ کہ طلال کیسا ہے۔مجھ سے جھوٹ نہ بولنا۔

زرشاہ کی آواز میں ان دیکھا خوف بول رہا تھا۔

ہم کچھ بھی نہیں چھپا رہے ہیں۔وہ ٹھیک ہے۔تم آرام کرو۔

عائشہ بیگم نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

اس دوران نرس کمرے میں داخل ہوئی اور ڈریپ میں کوئی انجیکشن ملایا۔

کہاں ہیں طلال۔۔؟؟

اس کی سوئی ایک جگہ پر ہی اٹکی ہوئی تھی۔مجھے اسے دیکھنا ہے اس سے بات کرنی ہے امی۔

مل لینا بیٹا پہلے خود تو ٹھیک ہو جاؤ۔

وہ کچھ دیر مزید طلال کے متعلق پوچھتی رہی اور پھر گہری نیند میں کھو گئی۔

عائشہ بیگم نے اسے سوتے دیکھ کر اپنی چھوٹی بیٹی کو دیکھا۔دونوں کی آنکھوں میں ہی آنسو تیر رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بابا رحیم نے درگاہ کے باہر گاڑی رکنے کی آواز سنی اور پھر ایک لڑکی کو درگاہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر مسکرا دیئے۔

بڑی دیر کر دی بیٹے۔

لڑکی کوئی اور نہیں زرشاہ تھی۔

روئی ہوئی آنکھیں اور اترا ہوا بے رنگ چہرہ جیسے کسی بہت بڑے سانحہ سے گزر جانے کا پتہ دے رہا تھا۔

بابا۔ایسا کیوں ہوا آپ نے دعا نہیں کی اس کے لئے وہ تو یہاں آتا تھا آپ کے پاس۔

زرشاہ سسکی تو بابا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولے۔

کچھ باتیں دعاؤں سے کہاں بدلتی ہیں جو ہونا ہوتا ہے وہ تو ہوتا ہی ہے۔اسے بدلا نہیں جا سکتا ہے۔

پر بابا۔۔وہ ایسے کیسے چپ ہو سکتا ہے مجھے اس سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔اسے بتانا ہے کہ میں اس سے نفرت نہیں کرتی ہوں۔

زرشاہ رونے لگی تھی۔

بیٹی جو باتیں تم بتانا چاہتی ہو اسے وہ باتیں وہ جانتا تھا۔بس تمہیں وہ باتیں جاننے میں اور پھر ماننے اتنا وقت لگ گیا کہ وہ اب سن نہیں سکتا ہے۔

انسان عجیب چیز ہے ہمیشہ دیر کر دیتا ہے اور پھر سب کچھ کھو دیتا ہے۔

انا کی جنگ میں رشتے بری طرح ہار جاتے ہیں پتر۔

کبھی انسان معاف کر کے تو دیکھے کہ اللہ اسے معافی کے بدلے کیا عطا کرتا ہے۔

بابا آپ دعا کریں نا۔

بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے۔کل وہ کہتا تھا بابا دعا کریں نا۔آج تم یہ کہہ رہی ہو۔

کل وہ تڑپتا تھا آج تم تڑپ رہی ہو۔

بابا کیا دعا کرے دھی۔

خود ہی اب ہاتھ اٹھاؤ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اب تم ہی سکون کی دعا مانگو۔

زرشاہ نے ہاتھ اٹھائے اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا اور دعا کے سارے الفاظ کہیں کھو چکے تھے۔ بس وہ روئے جا رہی تھی۔

بابا رحیم نے آسمان کو دیکھا۔

مولا تو اور تیرے بندے بھی نا۔

سمجھ میں ہی نہیں آتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

زرشاہ کی زندگی میں سکوت چھا چکا تھا۔ وہ بات کرتی تھی تو آواز بھیگ جاتی تھی۔ ہزار تسلیوں اور دلاسوں کے باوجود زخم تھا کہ بھرتا ہی نہیں تھا۔

اذیت تھی کہ اس کی روح تک کو کاٹتے جا رہی تھی۔

وہ اندر سے مر چکی تھی پر باہر سے زندہ نظر آتی تھی۔

دعائیں تھیں کہ اس کے ہونٹوں پر سلگتی رہتی تھیں۔ اور ساتھ وہ خود بھی سلگتی تھی۔

کچھ حادثات کے بعد انسان کے اندر کتنی قبریں وجود میں آ جاتی ہیں۔ کچھ قبریں سامنے ہوتی ہیں جن پر لوگ فاتح پڑھنے جاتے ہیں اور اگر بتیاں جلاتے ہیں۔ پر کچھ قبریں اندر ہوتی ہیں جن پر کبھی کوئی فاتح پڑھنے نہیں آتا ہے۔ جن پر لگی یادوں کی اگر بتیوں سے دھواں اٹھ اٹھ کر آنکھوں میں لہراتا ہے اور نمی پیدا کرتا ہے۔

زرشاہ کو اب کسی بھی چیز کا احساس نہیں رہتا تھا سوائے اپنے اندر کھدی تازہ قبر کی مٹی سے اٹھتی خوشبو کے علاوہ۔

احساس کی چادر پر ایسا پیوند لگا تھا پورے احساس کی چادر ہی داغ دار ہو چکی تھی۔

کچھ لوگ کھو جائیں تو کبھی واپس نہیں آتے ہیں، چاہے ان کو جتنا بھی پکارہ جائے۔ کلینڈر میں تاریخیں بدلتی رہتی ہیں اور راحتیں بدن کو طلاق دے دیتی ہیں۔ ہونٹوں کو گمشدہ نام بڑبڑانے کی عادت پر جاتی ہے۔

بس گھنا سرنڈ دیتا انتظار باس کی طرح آنکھوں میں پھیل جاتا ہے اور ہر آہٹ پر انسان چونک جاتا ہے۔

زرشاہ چپ ہو گئی تھی۔

شاید جو بہت ٹوٹ جاتے ہیں وہ بہت خاموش ہو جاتے ہیں۔

وہ بھی ایسے ہی ٹوٹ کر چپ ہو گئی تھی جیسے شیشہ ٹوٹے آواز پیدا ہو اور پھر چاہ سمت خاموشی چھا جائے۔

دل خواہشوں کا مدفن بن گیا اور ظلمت نے مجھے اپنی اغوش میں لے لیا اور مایوسی مجھ پر غالب آ گئی۔ میں مجنون کی آنکھ سے

ڈھلکا ہوا آنسو ہوں جسے وہ بے دردی سے پونچھ ڈالتا ہے۔

زر شاہ بڑبڑائی تھی۔

کچھ لوگ خوشبو کی طرح ہوتے ہیں چند پل کے لئے آپ کی زندگی میں آتے ہیں اور کچھ خوشگوار احساس چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے چلے جاتے ہیں۔ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔!!

کاش میں تم سے کہہ سکتی کہ میں تم سے کتنیء محبت کرتی ہوں طلال

وہ سسکی تھی۔

کتنی تکلیف دہ بات ہے کہ ہم اکثر کسی سے وہ باتیں نہیں کہہ پاتے ہیں جو باتیں کہنے کی ہوتی ہیں اور پھر ساری زندگی ان ان کہی باتوں کو سینے لگائے کہنے کی حسرت میں پھرتے رہتے ہیں۔اور کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے اکثر کہی گئی باتیں جب اپنی حرمت کھو دیتی ہیں تو انسان چپ چاپ اپنے اندر کہیں مر جاتا ہے۔

افسوس کہ ہم ساری زندگی کہی اور ان کہی باتوں کے درمیان پستے رہتے ہیں۔

اچانک دروازہ کھلا اور فائزہ کا چہرہ نظر آیا۔

آپی طلال بھائی کو ہوش آگیا ہے۔

زرشا کے لئے یہ خبر نئی زندگی کا پیغام تھی وہ بے اختیار سجدے میں جا گری تھی

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کھڑکی میں کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔وہ بہت کمزور ہو گیا تھا۔موت کے ساتھ لڑتے لڑتے وہ اس کا وجود دھوپ میں رکھی برف کی طرح پگھل رہا تھا۔وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا اور نظریں دریچے سے باہر گرتی ہوئی بوندوں پر تھیں۔۔

تمہارا پسندیدہ کون سا ہے زری۔۔؟؟ایک دن اس نے پوچھ تھا اور تب وہ انگلی پر ننھی سی انگھوٹی سے کھیلتے ہوئے چونکی تھی۔

مجھے کھڑکی میں کھڑے ہو کر گرتی بارش دیکھنا بہت پسند ہے۔اور تمہیں؟؟

سوال کے جواب میں اس نے سوال پوچھا تھا۔

پھر کبھی بتاؤں گا

وہ محبت سے مسکرایا تھا۔

آج بھی وہ اس کی پسند کے منظر میں پوری طرح کھویا ہوا تھا۔اچانک وہ چونکا تو زرشاہ سمجھ گئی کہ اس نے زرشاہ کا وہاں ہونا

محسوس کر لیا تھا۔

پتا نہیں وہ کیسے اس کا ہونا محسوس کر لیتا تھا۔ اور جب وہ پوچھتی تو ہنس کر کہتا،

تم نہیں سمجھو گی۔ اور وہ واقعی نہیں سمجھ سکتی تھی۔

اس کی نظریں کھڑکی کی طرف آئیں اور دونوں کی نظریں چار ہوئیں۔ اور دنوں کی ہی لبوں پر ایک مسکراہٹ نے جنم لیا۔ ایک ایسی مسکراہٹ جس کے پیچھے درد کا ایک سمندر چھپا ہوا تھا۔ وہ دونوں ہی اپنا درد چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے نادرد کو مسکراہٹ کے پیچھے چھپانا۔

وہ دورازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور آہستہ سے چلتے ہوئے اس کے پاس بیڈ کے کنارے آ بیٹھی۔

دنوں ہی خاموش تھے پر نگاہیں ایک دوسرے پر جمی ہوئی تھیں۔ ان کے درمیان خاموشی خموشی سے کانا پھونسی کر رہے تھی۔

کہنے کو بہت کچھ تھا۔ اور سننے کو بھی بہت کچھ۔ پر وقت نے ان کو اس موڑ پر لا کھڑا کیا تھا کہ جب وہ بولنے کے لئے ہونٹوں کو جنبس دیتے تو آہ نکل جاتی تھی اور درد لفظوں میں چیخنے لگتا تھا۔

اور وہ دنوں ہی نہیں چاہتے تھے کہ ان کا درد ایک دوسرے پر عیاں ہو۔ وہ مضبوط نظر آنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ ایک دوسرے کو سہارا دے سکیں اور اندر سے دونوں ہی جانتے تھے کہ وہ بری طرح ٹوٹ چکے ہیں کہ اب سمیٹنا بھی ممکن نہیں رہا ہے۔

محبت کرنے والے بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں نا۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی یوں بنتے ہیں گویا لا علم ہوں کچھ نہیں جانتے ہوں۔

شاید محبت نام ہی خود فریبی کا ہے۔

کچھ بولو نازری۔ چپ کیوں ہو مجھے پیار کا کوئی آخری قصہ سناؤ۔ بہتی ہوئی ندی کا کوئی ترانہ سناؤ۔ مجھے تم یوں چپ اچھی نہیں لگتی ہو۔ وہ دھیمی آواز میں بے چین کے ساتھ بولا تھا۔

زرشاہ نے اس کے کملائے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کا خوبصورت چہرہ اب ایسے لگتا تھا جیسے گلاب کا پھول توٹ کر اپنی ہی پتیوں پر بکھر چکا ہو۔

زرشاہ کے لبوں پر مہر لگ گئی تھی۔

تمہیں یاد ہے زری میں نے تم سے تمہارا پسند دیدہ منظر پوچھا تھا اور تم نے کہا تھا گرتی بارش کو دیکھنا اور پھر تم نے مجھ سے وہی

سوال پوچھا تھا تب میں ٹال گیا تھا۔

زرشاہ کے دماغ میں کچھ دیر پہلے چلنے والی یاد اب کے دماغ میں اتر آئی تھی۔

جی یاد ہے۔

وہ بمشکل اتنا ہی کہہ سکی۔

میں نے وہ جواب شاید آج کے دن کے لئے بچا کر رکھا تھا۔

آج تمہیں بتاؤں کہ میرا پسندیدہ منظر خاموشی سے تمہیں دیکھتے رہنا ہے۔ تم نے پوچھا دسمبر میں تمہیں کیا پسند ہے تو سنو۔ دسمبر کی سرد راتیں مجھے پسند تھیں کہ میں ان لمبی کہریلی راتوں میں تمہیں سوچتا رہتا تھا۔ مجھے تمہاری ہر ادا اور ہر خطاء سے ہمیشہ محبت رہی ہے زری۔ میری ذات تم سے ہے تمہ سے نکل کر میں کچھ نہیں ہوں میرا وجود تم سے ہے میری پسند نہ پسند کا معیار تم ہو۔

طلال کے لہجہ اس کی آنکھیں۔ اس کا رواں رواں زرشاہ کے لئے محبت چھلکا رہا تھا۔

طلال کے اظہار نے زرشاہ کو اضطراب سے دوچار کر دیا تو وہ اپنی بے چینی چھپانے کے لئے ہنسی۔

جیسے اس کے اظہار نے زرشاہ کو بہت خوشی دی ہو، پر حقیقت اس کے برعکس تھی۔

طلال نے اس کی ہنسی میں درد کی چیخیں دن لیں تھیں۔ پتا نہیں وہ کون سی بات چھپانے کی کوشش کر رہی تھی خود سے یا طلال سے۔

زرشاہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور اس کی نسوں میں بہتی زندگی کو محسوس کرنے ناکام کوشش کی۔

ان کے پاس وقت کم ہے اگر معجزہ ہو جائے تو ہو جائے۔

ڈاکٹر کا جملہ اس کے کانوں میں گونج کر اسے تڑپا گیا تھا۔

کیا محبت میں معجزے ہوتے ہیں۔۔۔؟؟

زرشاہ نے دل میں سوچا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی جہاں بارش تواتر سے برسے جا رہی تھی۔

برسات میں جو بچھڑیں وہ دوبارہ نہیں ملتے۔

کسی نظم کی سطر اسے یاد آئی اور اسے لگا جیسے اس کا دل کسی نے مسل ڈالا ہو۔

طلال اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔

جہاں جدائی کا موسم پھیل رہا تھا۔

ہزار قسموں اور وعدوں کے باواجود بچھڑنے والے بچھڑ ہی جاتے ہیں۔ کبھی چاہ سے اور کبھی ان چاہے۔ اور انسان کے پاس محبت کی تکلیف دہ یادوں کے علاوہ کچھ نہیں بچتا ہے۔

مریض سے اتنی باتیں نہ کریں انہیں آرام کرنے دیں۔

نرس نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تو زرشاہ نے طلال کو دیکھا۔

آرام کرو میں بعد میں ملتی ہوں۔

اس نے نرمی سے طلال کا ہاتھ چھوڑا تو جانے کیوں وہ تڑپ سا گیا اور زرشاہ نے بھی اس کی تڑپ کو محسوس کر لیا۔

میں یہاں ہی ہوں تمہارے پاس۔

یوں ہاتھ نہ چھوڑا کرو۔

ساتھ چھوٹ جاتا ہے۔ طلال نے مدھم سے لہجے میں کہا تو زرشاہ کی آنکھوں میں نمی نے سانس لیا۔

ہمارا ساتھ سلامت رہے گے۔

زرشاہ نے یقین بھرے لہجے میں کہا تو طلال نے آنکھیں بند کر دیں۔

اس نے کافی لمبا سفر طے کیا تھا اور کافی تھا ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بابا رحیم نے اسے درگاہ کے احاطے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو ایک مرید کو اسے اپنی طرف بلانے کے لئے بھیجا۔

کچھ دیر بعد برگد کے بوڑھے سائے تلے وہ بابا رحیم کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔

بابا دعا کریں وہ ٹھیک ہو جائے پہلے جیسا ہو جائے۔

وہ گود ھ میں ہاتھ رکھے کہہ رہی تھی۔

بہت سارے حادثات کے بعد پہلے جیسے کچھ نہیں رہتا ہے بیٹی۔

زرشاہ کی آنکھوں میں دکھ کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔

بابا دل سے دعا نکلے تو اثر رکھتی ہے نا۔ میں دل سے اس کے لئے دعا مانگتی ہوں۔ میں اس سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ پر جیسے ہی میں اس کے سامنے جاتی ہوں اس کی حالت دیکھ کر میرے سارے الفاظ دم توڑ دیتے ہیں۔ وہ ساری باتیں جو میں اس سے کرنا چاہتی ہوں مر جاتی ہیں۔

میری چاہت ہے کہ جب وہ بلکل ٹھیک ہو جائے گا تب میں اسے بتاؤں گی کہ میں اس کی ہوں اور وہ ساری باتیں جو وہ کبھی

مجھ سے سننا چاہتا تھا اس سے کروں گی۔

بابا رحیم نے اس کی بات کو سنا اور بولو۔

بیٹی! یہ جو "چاہ" ہوتی ہے نا اس کو پانے کی "راہ" بڑی مشکل سے ملتی ہے۔

دل کو مضبوط کرو۔ قدم جما کر رکھو۔ راستے بھی مل جائیں گے اور منزلیں بھی مل جائیں گی۔ عشق کی راہ بڑی اوکھی ہے پتر۔ جسم اور روح جل کر راکھ ہو جاتا تو اوپر سے صدائے کُن آتی ہے۔

عشق دی باہڑاں دا بالن، عاشق بے سکیندے ھو

گھت کے جان جگر وچ آرہ، ویکھ کباب تلیندے ھو

سرگردان پھرن ہر ویلے خون جگر دا پیندے ھو

ہوئے ہزار عاشق باہُو پر عشق نصیب کہیں دے ھو

بابا کبھی کبھی لگتا ہے جیسے آپ چاہتے ہی نہیں وہ ٹھیک ہو جائے اس لئے تو آپ دعا کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے ہیں۔

زرشاہ نے شکایت بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

اپنے ہاتھوں سے لگائے گئے پودے کو جڑ سے اکھڑتا کون دیکھ سکتا ہے بیٹی۔ جس چراغ کو خون جگر سے جلایا جائے اسے بجھتا کون دیکھ سکتا ہے۔

ہاتھ اٹھانے کی نوبت ہی نہیں آتی ہے۔ دل ہر وقت آسمان والے کی طرف متوجہ رہتا ہے اور وہ دلوں میں موجود رازوں سے خوب واقف ہے۔

ایسا مت سوچو۔

زندگی جب تک ہے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ موت اس کی پہرہ داری کرتی ہے اور جب زندگی ختم ہو جاتی ہے تو ہم جیسے کیا ،نبیوں اور ولیوں کے ہاتھ خالی لوٹ آتے ہیں۔

بابا رحیم سر جھکائے کہہ رہے تھے۔

زرشاہ نے انہیں دیکھا۔

بابا میری دعاؤں سے وہ ہوش میں آگیا ہے۔ مجھے امید ہے میرا رب مجھے مایوس نہیں کرے گا۔ بس اب آپ بھی اس کے لئے دعا مانگے۔ اب میں چلتی ہوں وہ میرا انتظار کر رہا ہے۔

زرشاہ انہیں سلام کر کے باہر کی سمت چلی دی اور وہ اسے جاتا دیکھتے رہے۔

عاشق ہوتے عشق کما، دل رکھیں وانگ پہاڑ ھو
سَے سَے بدیاں لکھ اُلامھے جانیں باغ بہاراں ھو

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لئے اس کے پاس بیٹھی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

سنا ہے بہار آئی ہے، پھول مسکرائے ہیں اور منظروں نے سبزے کی چادر اوڑھ لی ہے۔ کیا اس باغ میں ابھی تک وہ تتلیوں کا جوڑا رقص کر رہا جہاں میں تم ملا کرتے تھے؟؟

جہاں ہماری محبت پروان چڑھی تھی۔ کیا میں ان تتلیوں کے الوادعی سلام کر سکتا ہوں۔۔؟؟

کیا میں اس درخت کے سائے کو آخری بار محسوس کروں گا جس کے نیچے ہم بیٹھا کرتے تھے۔ مجھے بتاؤ کہ وہ بوڑھی عورت اب بھی وہاں آتی ہے جو تمہیں ڈانٹ دیتی تھی کہ تم محبت سے میرے بالوں کو چھیڑتی تھی۔ کیا میں اس کی ڈانٹ ایک بار سن پاؤں گا۔۔؟؟

اور وہ باغ کا مالی بھی وہاں ہی ہو گا نا جو مجھ سے اس لئے خفا رہتا تھا کہ ہمیشہ ہی کوئی پھول توڑ کر تمہاری زلفوں میں سجا دیتا تھا۔

وہ چنبیلی کے پھول جن سے میں اکثر تمہیں تشبیح دیتا تھا کہ جیسے ان سے پورا باغ معطر تھا ویسے تم سے میری زندگی میں خوشبو تھی۔ کیا وہ چنبیلی کیے پھول وہاں ہی ہیں؟

اور کیا وہ چنے والا ابھی تک اسی موڑ پر ریڑھی لگائے ہوئے ہے جس سے ہم چنے کھاتے تھے اور وہ ہمیشہ ہی تمہاری پلیٹ میں کم چنے ڈالا کرتا تھا اور تم خفا ہو جاتی تھی،

طلال کا سانس پھول چکا تھا۔ اب وہ زیادہ کرتا تھا تو اس کی سانس دھونکنی کی مانند چلنے لگتا تھا اور وہ درد میں مبتلا ہو جاتا تھا۔

ایسے لمحات میں زرشاہ کا دل کرتا وہ اس کے وجود سے ساری تکلیف کھینچ لے اور اسے پہلے جیسا کر دے۔

کاش کے میری انگلیوں میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں اسے چھوتی اور اس کا کرب میری انگلیوں کے پوروں میں اتر آتا۔

زرشاہ نے دکھ سے سوچا۔

اور پھر خود کو مضبوط کرتے ہوئے اس کے سوالوں کے جواب دینے لگی۔

سنو طلال۔

وہ تتلیوں کا جوڑا اب اس باغ سے کوچ کر گیا کہ جس پھول کی خوشبو اسے رقص کرنے پر مجبور کرتی تھی اس کی ساری کیاریاں وقت کے رحم ہاتھوں نے نوچ ڈالیں۔ اور وہ درخت بہت سی محبتوں کا امین تھا اداس سا ہے کہ اس کے سائے میں پنپنے والی

محبتیں زندگی کی دھوپ میں جا کر ہار جاتی ہیں۔اور اب وہ بوڑھی عورت بھی وہاں نہیں آتی کہ جن کی محبت میں وہ اپنی گزری ہوئی محبت کا عکس دیکھتی تھی اب وہاں نہیں آتے۔تم اس مالی کا پوچھتے ہو۔

ہاں وہ اب بھی وہاں ہے پر سخت مشکل میں ہے کہ اب محبت کرنے والے جوڑے وہاں کم آتے ہیں اور اب کوئی بھی کیاریوں کی ترتیب خراب نہیں کرتا اور نہ ہی اسے موقع ملتا ہے کہ وہ کسی کو ڈانٹ کر اپنی تنہائی دور کر سکے۔

اور وہ چنبیلی کے پھول یقیناً وہاں موجود ہوں گے پر اب کی خوشبو سے جدائی کی باس آنے لگتی ہے کہ ان خوشبو محبت کرنے والوں کے جذبوں کی نرم موسم سے تھی۔

اور وہ ڑیرھی والا بھی وہاں موجود ہے اور میں جانتی ہوں کہ مجھے وہ چنے تمہارے اشارے پر کم دیتا تھا۔مجھے تمہاری ساری شرارتوں کا علم تھا۔

طلال آنکھیں بند کئے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

زرشاہ نے خاموش ہو کر اسے دیکھا۔

اس کا وجیہ چہرہ زرد ہو چکا تھا اور روشن چمکدار آنکھیں بجھی ہوئی تھیں۔

زرشاہ کے آسمان کے چاند کو گہن لگ چکا تھا۔

محبت کے وہ پل جن میں ان دونوں نے زندگی کو خوبصورتی سے جیا تھا تیزی سے آئے اور گزر گئے جیسے ساون کی بارش لمحوں میں سب کچھ بھگو کر چلی جاتی ہے اور زمین جل تھل ہو جاتی ہے. اب ان کے وہ دل جو کبھی محبت سے معمور تھے جدائی کے خوف تلے سسک رہے تھے۔

محبت کے وہ پل جن میں ان دونوں نے زندگی کو خوبصورتی سے جیا تھا تیزی سے آئے اور گزر گئے جیسے ساون کی بارش لمحوں میں سب کچھ بگو کر چلی جاتی ھے اور زمین جل تھل ہو جاتی ھے. اب ان کے وہ دل جو کبھی محبت سے معمور تھے جدائی کے خوف تلے سسک رہے تھے..

زرشاہ اسے دھیرے دھیرے کھو رہی تھی وہ بند ہتھیلی سے پانی کے قطروں کی طرح اس سے دور ہوتا جا رہا تھا اور وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

دھیرے دھیرے کھو دینے کا احساس بھی کتنا قاتل ہوتا ھے بلکل ایسے ہی جیسے کوئی ریشمی کپڑے کو کانٹے دار جھاڑیوں پر پھینک کر واپس بے دردی سے کھینچ لے..یہی احساس کسی کو کھو دینے کا تھا یہ احساس بھی روح کے گوشوں کو ادھیڑ کر رکھ دیتا تھا۔

کیا سوچ رہی ہو زری

کیا ان پلوں کو سوچ رہے جب محبت ہم پر مہربان ہوئی تھی اور میں اور تم باغ میں بیٹھے مستقبل کے حسین سپنے بن رہے تھے..اب مت سوچو گزرے کل کے ان خوبصورت لمحات کو جو حال کا ناسور بن چکے ہیں... تھک جاؤ گی زری

.پتا ہے کچھ کہانیوں کا آغاز بڑا دلفریب ہوتا ہے انسان سوچتے لگتا ہے اس کہانی میں بس مسکراہٹیں اور قہقے ہوں گے یہ کہانی بہار کی ہوگی اور کبھی بھی خزاں کا سایہ نہ دیکھنا ہوگا.. جدائی کی کوئی ساعت نہیں ہوگی ہر پل ساتھ اور پاس کا ہوگا..پر پتا نہیں کیوں ہماری سوچیں بس سوچیں ہی رہ جاتی ہیں ہمارے خواب تعبیر کے زینے کبھی نہیں چڑھ پاتے...مجھے بتاؤ تو سہی زری کیوں ایسا ہوتا ہے ہم کیوں خواب دیکھتے ہیں ہم کیوں بھول جاتے ہیں کے کچھ لوگوں کی ہنسی بہت مختصر ہوتی ہے۔

آؤ ان مسکراہٹوں کا نوحہ کہیں جو لبوں تک کا سفر طے کرنے سے پہلے ہی دم توڑ دیتی ہیں۔وہ خواب جو آنکھوں میں ٹوٹ کر ہمیشہ کے لئے آنسو بن جاتے ہیں۔وہ خواہشیں جو سینوں میں مر جاتی ہیں۔۔وہ سفر جن پر منزلیں نہیں ملتیں..وہ احساس جو قتل کر لئے جاتے ہیں.۔وہ باتیں جو کبھی کہی نہیں جاسکتی وہ جذبے جن کو اظہار کا موقعہ نہیں ملتے۔

آؤ آج ان سب پر نوحہ کہیں زرشاہ ان سب کی دلخراش موت پر ماتم کریں۔

دیکھو تو سہی منظروں نے خزان کی چادر اتار پھینکی اور بہار نے منظروں کو ہریالی کا لباس پہنا دیا..درختوں پر پتے جاگ گئے اور پھول مسکرانے لگے اور تتلیاں پھولوں سے سرگوشیاں کرنے لگی مجھے..پرندوں کی چہک آمد بہار کا مژدہ سنا رہی ہے۔شہر میں پھولوں کا طوفان برپا ہے اور ہم بہار کی گود میں بیٹھے خزاں کی وحشت کو محسوس کر رہے ہیں۔کیا یہی زندگی ہے؟

ہاں یہی زندگی کی داستان ہے جس کی سیاہی انسان کے آنسو ہیں۔

مجھے سے کچھ مت پوچھو طلال۔مجھ سے کچھ نہ کہو۔

بس یونہی میرے ہاتھ،میں ہاتھ دیئے رہو۔

اور میرے دل کی دھڑکنوں میں اسے خوف کو محسوس کرو جو تمہاری جدائی سے وابستہ ہے۔مجھے معاف کر دینا طلال کہ میں نے تمہیں بہت اذیت دی اور بہت زیادہ ٹرپایا۔

پر میں آج تم سے کہنا چاہتی ہو کہ میں ہمیشہ سے ہی تم سے محبت کرتی تھی اور ہمیشہ تم ہی سے محبت کرتی رہوں گی۔

چلال کی بجھی ہوئی آنکھوں میں محبت کے لو بھڑکی۔

مجھے یہ بات سننے کے لئے بہت سفر کرنا پڑا زری۔

وہ بس اتنا ہی کہہ پایا تھا۔

اب دونوں ہی خاموش تھے اور ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گاڑی میں بیٹھی بابار حیم کو مل کر واپس آرہی تھی اور اس کے دماغ میں ان کی باتیں گھوم رہی تھیں۔

ہم وہی پاتے ہیں جو بوتے ہیں۔ وہی حاصل کرتے ہیں جس کی تلاش میں پھرتے ہیں۔

سوچو کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے وہ کون سی ادا تھی جو رب کو پسند نہیں آئی اور اس نے تمہیں اتنی بڑی آزمائش سے دوچار کر دیا ہے۔

چھوٹی چھوٹی باتیں نتائج کے اعتبار سے بہت بڑی ہوتی ہیں۔ زرا غور کرو سوچو کہ وہ کون سا عمل تھا جس نے تمہیں اس اذیت سے دوچار کر دیا۔ خدا بندے کو کبھی بھی آزمائش میں نہ ڈالے اگر وہ اس سے محبت نہ کرے۔

آخر میں نے ایسا کیا کیا جو مجھے ایسے سزا دی جارہی ہے۔

گاڑی سگنل پر رکی ہوئی تھی اور وہ اپنی سوچوں میں گم۔

کسی نے شیشے پر دستک دی تو وہ چونکی۔

ایک خواجہ سرا وہاں کھڑا تھا۔

باجی! اللہ کے نام کچھ دے دو۔ رنگ برنگے لباس اور چہرے پر پوڈر کی تہہ، ہونٹوں پر گہری سرخ رنگ لپ سٹک لگائے وہ کس قدر مذاقہ خیز لگ رہا تھا۔

زرشاہ نے شیشہ نیچے کیا اور اسے کچھ پیسے پکڑائے۔

سگنل کھلا ہو ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

اچانک زرشاہ کے دماغ میں جھماکے سے پرانا منظر ابھر کر آیا۔

وہ اسی راستے سے یونیورسٹی جاتی تھی اور اسی سگنل پر ایک اور خواجہ سرا ہمیشہ اسے سے پیسے مانگتا اور وہ ہمیشی ہی اسے کچھ نہ کچھ دے دیتی تھی۔

پھر ایک دن اس خواجہ سرا نے ایسی بات کی زرشاہ دماغ ہی گھوم کر رہ گیا۔

باجی میں بس آپ سے پیسے لیتا ہوں مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے۔

یہ جملہ سننا تھا تھا زرشاہ کا دماغ الٹ گیا۔

آدھے ادھورے انسان تمہاری ہمت کیسے ہوئی ایسی بات کرنے کی۔ جسے اللہ نے ادھوار بنایا ہے اس کی سوچ بھی اتنی ہی ادھوری ہوتی ہے۔ گھر گھر ناچنے اور، مانگنے والا مجھ سے ایسی بات کرے۔ دفع ہو جاؤ دوبارہ مجھے شکل مت دکھانا۔

اس کے منہ جو کچھ آیا وہ بلتی چلی گئی اور وہ خواجہ سرا بت بنا کھڑا سنتا رہا۔

با جی۔

کچھ مانگا تو نہیں تھا۔ بس اظہار کیا تھا۔ ادھورے انسان بھی محبت کرتے ہیں ان کے ادھورے جسم میں مکمل دل ہوتا ہے جس میں جذبے اور احساس ہوتے ہیں۔ محبت کو ایسے نہیں دھتکارا کرتے ہیں۔ محبت برا انتقام لیتی ہے با جی۔

محبت کی توہین نہ کرو سزا ملے گی بہت بڑی سزا۔ خواجہ سرا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

تب زرشاہ نے اس کی باتوں پر دھیان نہیں دیا تھا پر آج اس خواجہ سرا کو دیکھ کر اسے وہ پل یاد آیا تھا۔

گاڑی روکو۔

اس نے ڈرئیوار کو کہا اور گاڑی رکتے ہی وہ اتر کر پیچھے اس خواجہ سرا کی طرف بھاگی۔

وہ خواجہ سرا اسے اپنی طرف دیکھ کر حیران تھا۔

یہاں ایک مانگنے والا خواجہ سرا ہوا کرتا تھا وہ آج کل کہاں ہے۔ زرشاہ نے حلیہ بتاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

اس کے چہرے پر مزید حیرت پھیل گئی تھی۔

وہ تو با جی۔ بہت زیادہ بیمار ہے اور بستی میں پڑا ہوا ہے اس کا کوئی نہیں ہے۔

زرشاہ نے بستی جانے کا راستہ اس سے پوچھا اور واپس گاڑی میں آبیٹھی۔

اور ڈرائیور کو راستہ بتا کر اس طرف جانے کا کہا۔

بی بی جی وہاں۔۔وہاں تو۔

ڈرائیور بھی حیران ہو گیا تھا۔

ہاں وہاں ہی گاڑی چلاؤ۔ زرشاہ نے کہا تو ڈرائیور نے گاڑی موڑ دی۔

کچھ دیر بعد وہ کچی بستی میں داخل ہو چکے تھے جہاں زیادہ تر خواجہ سرا ہی بستے تھے۔ ان کی گاڑی کو دیکھ کر راہ چلتے لوگوں اور خواجہ سراؤں کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل رہے تھے۔

ایک خواجہ سرا سے پتہ پوچھ کر وہ ایک ٹوٹی ہوئی جھونپڑی پر جا پہنچے۔

زرشاہ گاڑی سے اتری اور اندر چلی گئی۔

سامنے ہی ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی پر وہی خوجہ سرا لیٹا ہوا تھا جسے زرشاہ نے بری طرح ذلیل کیا تھا۔

وہ اسے سامنے پا کر بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

باجی، آپ اور یہاں۔ہائے یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔

میں تم سے معافی مانگنے آئی ہوں پلیز مجھے معاف کر دو اور اگر کوئی بد دعا دی ہے تو اللہ سے میرے لئے اس بد دعا سے رہائی کی دعا کر دو۔

زرشاہ منت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

باجی میں نے کوئی بد دعا نہیں کی۔اور نہ ہی دل میں کچھ بغض پالا۔

خواجہ سرا نے کھانستے ہوئے کہا۔

ازرشاہ نے پرس سے میں ہاتھ ڈالا اور جتنے پیسے آئے گنے بغیر اس پکڑا دئے۔

خواجہ سرا حیرانگی سے زرشاہ کو دیکھے جا رہا تھا۔اس کے چہرے سے واضح تھا کہ اسے سمجھ نہیں آرہی کہ کیا کہے اور کیا نہ کہے۔

زرشاہ نے ایک بار پھر اس سے معافی مانگی اور جھونپڑی سے باہر نکل آئے۔

جا باجی۔تو اس ادھورے انسان کی چوکھٹ تک معافی مانگنے آئی اللہ تجھے پورا کر دے مکمل کر دے۔

زرشاہ کی پیٹھ پر خواجہ سر کی دعا سنائی دی تو اس آمین کہا۔

جب وہ گاڑی میں بیٹھی واپسی کا سفر کر رہی تھی اس کے چہرے پر اطمینان سا تھا۔جیسے اس کے سینے سے کوئی بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

تم اس وقت میرے اتنے پاس ہو جتنا پہلے کبھی نہ تھی۔تمہاری سانسوں کی خوشگوار گرماہٹ کو میں اپنیء سینے پر محسوس کر سکتا ہوں۔تمہارے وجود کی دلکشی ہمیشہ کی طرح میری آنکھوں کو سکون بخش رہی ہے۔تمہارا وجود اور خیال آج بھی میرے خایل کو کسی اور سمت بھٹکنے نہیں دیتا ہے۔تمہاری خوبصورت آنکھوں میں آج بھی مجھے اپنی جنت دکھائی دیتی ہے۔تمہاری آواز آج بھی لذت سماعت دوچار کر کے میری روح کے تار ہلاتی ہے۔

اے حسن کے پیکر لطیف

تمہاری محبت ہی میرا سرمایہ حیات رہی ہے اور تمہاری محبت میں گزرے لمحوں اور دنوں میں ہی اپنی زندگی کو جی چکا ہوں میں اس لئے میری دوری کے خوف سے خود نہ ڈراؤ۔میری آخری خواہش ہے کہ تم اپنے، مقدس لبوں سے میری پیشانی پر الوادعی بوسہ دو اور میرے گالوں پر اپنی زلفوں کو پھیلا دو کہ جن پر تیری دوری کے آنسوؤں نے گر کر تیزاب کی طرح نشان ڈال رکھے ہیں

جن کی ابھری ہوئی ہڈیوں میں تیری دوری کا غم واضح ہو چکا ہے۔

میں جہاں کہیں بھی ہوا تمہیں ہمیشہ محسوس کروں گا۔یوں جیسے بچہ اپنی ماں کے لمس کو محسوس کر لیتا ہے۔کچھ غم نہ کھاؤ کہ میں ہمیشہ تمہاری محبت میں زندہ رہوں گا جیسے پھول سورج کی حرارت میں زندہ رہتے ہیں

طلال دل کی گہرائیوں کہہ رہا تھا۔

زرشاہ نے محبت کے ان الفاظ کو غور سے سنا اور طلال کے چہرے کو دیکھا۔

محبت کی روشنی اس کے چہرے پر پھیل چوکی تھی اور اس کے گال یوں تمتا اٹھے تھے جیسے افق کے کنارے سورج کی الوادعی کرنوں سے چمک اٹھتے ہیں۔

زرشاہ اور طلال اب خاموشی سے ماضی کے ان راستوں پر سفر کر رہے تھے جن راستوں پر انہوں نے محبت بھرے دنوں میں قدم رکھے تھے۔

وہ جیسے ماضی کے سایہ دار درختوں میں چلے گئے جن کے سائے تلے وہ ملا کرتے تھے اور محبت ان کے گرد نور کی صورت میں ہالہ کئے رہتی تھی۔

ہر انسان کا ایک خوبصورت ماضی ہوتا ہے جب حال کی دھوپ سے انسان تھک جاتا ہے وہ اپنے اس خوبصورت ماضی میں چلا جاتا ہے اور اس کی چھاؤں میں کچھ دیر بیٹھ کر اپنے تھکے وجود کو راحت دیتا ہے۔اگر انسان کے پاس خوبصورت ماضی نہ جس میں جا کر وہ کچھ دیر کے لئے ستا نہ سکے تو شاید انسان بری طرح ٹوٹ جائے۔

زرشاہ اور طلال بھی اسی ماضی میں چھپے اپنا اپنا غم چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔

شاید یہ میرے آخری دن ہیں اور یہ آخری سانسیں ہیں جو تمہاری فرحت بخش چھاؤں تلے لے رہا ہوں۔

اور یہ دن میری زندگی کے خوبصورت ترین دن ہیں کہ تم اتنا وقت میرے ساتھ رہی اور مجھ سے باتیں کرتی رہی۔میرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے میرے ساتھ بیٹھی رہی۔

کاش یہ یہ دن کچھ اور طویل ہو جائیں یا یہ وقت یہیں رک جائے کہ تم یونہی میرے ہاتھوں کو پکرے مجھے سنتی رہو اور اپنی کہتی رہو۔

طلال نے حسرت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو زرشاہ کی آنکھیں چھلک پڑیں،

مجھے معاف کر دینا طلال۔یہ پل میں تمہیں بہت پہلے نہ دے سکی۔

طلال نے خاموشی سے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

زرشاہ درگاہ پر موجود تھی

آج بابا رحیم کے چہرے پر آج عجیب قسم کا نور پھیلا ہوا تھا۔

بابا آج تو میں آپ سے دعا کروا کر ہی یہاں سے جاؤں گی ورنہ یہاں ہی بیٹھی رہوں گی۔ اگر آج آپ نے دعا نہ کی تو میں خدا سے آپ کا شکوہ کروں گی تیرا ایک دوست میری باتیں نہیں سنتا ہے۔

زرشاہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

کاش میں اس کا دوست ہوتا کاش تیری یہ باتیں سچ ہوتیں۔ بابا جی کھل اٹھے تھے۔

بابا آج دعا کریں آپ۔ مجھے کچھ نہیں سننا ہے اب بس۔

زرشاہ نے بچوں کی طرح کہا۔

کیا دعا کروں بیٹی۔۔؟؟

یہی دعا کہ اللہ مجھے اس آزمائش سے نکال دے اور مجھے طلال پہلے جیسے سونپ دے۔

بیٹی! اگر تجھے بندے نے دل سے معاف کر دیا ہے تو رب نے بھی کر دیا ہے۔ تیری آزمائش ختم ہو جائے گی۔

بابا آپ دعا کریں۔

زرشاہ نے ضد کی تو بابا رحیم شفقت سے مسکرا دئے اور بولے۔

ایسے ہی رب سے ضد کر کے اپنی باتیں منوانا سیکھو بیٹی،

پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

اے خدا۔ تیرا بندہ تجھ سے ترے ایک بندے کی زندگی کا سوال کرتا ہے۔ تو اسے کامل ایمان کے ساتھ صحت دے اور اسے اس راستے پر ثابت قدم رکھ جو تیرا محبوب راستہ ہے۔

رب کعبہ! محبت کرنے والوں کو سلامت رکھ اور جن کو تو نے آزمائش سے دوچار کر دیا ہے ان کو اپنے فضل سے اس ازمائش میں سرخرو کر دے کہ تیرے فضل کے علاوہ کوئی بھی کامیابی نہیں پا سکتا ہے۔

اے خداؤں کے خدا۔

اپنی محبت محبت کرنے والوں کے دلوں میں بھر دے ان کی پیشانیوں کو نور سے منور کر دے اور محبت کے راستوں میں آنے والی تکلیفوں اور دشواریوں کو محبت کرنے والوں کے لئے سہل کر دے۔

میرا مولا۔

تیرا ایک محبوب بندہ کسی سے خوش ہوتا تھا تو اسے دعا میں کہتا تھا

جا تجھے عشق ہو

خدایا تو عشق کے لئے کامل ہے۔پر تیرے بنے تیرے ہی بندوں کے وسیلے سے تجھ تک آتے ہیں۔تو ان بندوں کو اپنا محبوب کر دے۔

وہ لڑکا جو بستر مرض پر ہے اسے شفادے۔اس کی منزل کو اس کے لئے آسان کر دے۔

بابا رحیم نے ہاتھ نیچے کئے اور زرشاہ نے صدق دل سے آمین کہا۔

اب مجھے یقین ہے وہ ٹھیک ہو جائے گا۔

بابا نے شفقت ست اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

بابا اب چلتی ہوں۔اگلی بار جب میں آؤں گی تو میرے ساتھ طلال بھی ہو گا ان شاء اللہ۔مجھے اللہ جی پر پورا یقین ہے کہ وہ مجھے خالی ہاتھ نہیں لٹائیں گی۔

زرشاہ نے پورے یقین سے کہا تو بابا نے اس کی تائید میں ان شاء اللہ کہا۔

جب وہ چلی گئی تو بابا رحیم نے سر جھکا دیا۔

خدا اتیرے بندے کا تجھ پر یقین رائگاں نہ جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

آج وہ جب طلال سے ملنے پہنچی تو شام ڈھل رہی تھی۔تانیہ اور طلال کی ماں نے ہمیشہ کی طرح ان کو اکیلا چھوڑ دیا تھا۔

۔وہ خلاف معمول آج بہت پر سکون تھا۔زرشاہ کو دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک ملکوتی تبسم پھیل گیا۔جب وہ اس کے پاس بیٹھی تو وہ کہنے لگا۔

آج بہت دیر کر دی آنے میں زری۔

اس وقت ٹریفک بہت ہوتا ہے سب کو گھر جانے کی جلدی ہوتی ہے اور سب ہی اپنی اپنی منزلوں کی سمت بگاگ رہے ہوتے ہیں۔

منزلیں۔

وہ اس کی بات سن کر مسکرایا۔

خاموشی کا ایک مختصر سا وقفہ ان کے درمیان آیا اور وہ کسی گہری سوچ میں کھو گئی،

طلال نے اس کو دیکھا۔

ستاروں کی طرح روشن آنکھیں بجھ چکی تھیں۔اور وہ چہرہ جو کبھی بہار کی صبح کی طرح خوشگوار اور روشن تھا اب غم کی پرچھائیوں میں ڈوب چکا تھا۔گلابی ہونٹوں پر سفیدی غالب آچکی تھی۔

اور لمبی صراحی دار گردن غم کے بوجھ نے جھکا دی تھی۔اس کا چہرہ یکسر بدل چلا تھا۔پر طلال کے لئے اس کے چہرہ پہیلے جیسا ہی تھا کہ وہ اسے عام نظر سے کبھی دیکھتا جو نہیں تھا وہ ہمیشہ ہی اسے محبت کی کامل نظر سے دیکھتا۔محبت کی نظر میں عیب کہاں آتے ہیں۔

طلال نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

وہ آنسوؤں کو آنکھوں کے فرش تک محدود رکھنے کوشش کر رہی تھی۔

طلال نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور بولا۔

زرشاہ مجھے بھولنا مت۔میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کے لئے حیات بہت تھوڑی بانٹی گئی ہے۔پر پھر بھی میں خوش ہوں کہ مجھے تمہارا بھرپور ساتھ ملا۔مجھے کوئی حسرت نہیں ماسوائے اس کے کہ کاش میں کسی سے کچھ اور زندگی ادھار مانگ کر تمہارے ساتھ چل سکوں پر شاید کو قدرت کو ہمارا ساتھ منظور نہیں ہے۔شاید قدرت نہیں چاہتی کہ میں مزید تمہارا ہاتھ تھام کر محبت کے ان راستوں اپر چلوں۔

اس کی آواز شدت غم سے بھرا گئی تو وہ خاموش ہو گیا،

زرشاہ نے نم آلود لہجے میں جواب دیا۔

میں تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں۔بھلا خشک پھول بہار کو بھول سکتا ہے۔۔کیسے ممکن ہے پیاسہ پانی کو بھول جائے یا موجیں ساحل کو بھول جائیں۔میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی جیسے آنکھیں خوابوں کو یاد رکھتی ہیں اور دل دھڑکنا یاد رکھتا ہے۔

طلال نے اس کے ہاتھوں پر گرفت مضبوط کی جیسے یقین کرنا دلانا چاہتا ہو کہ وہ اس کے پاس رہے گا ہمیشہ۔

زرشاہ کہہ رہی تھی۔

تمہیں پتا ہے نا طلال کہ مجھے تنہائی سے ڈر لگتا اور اکیلے راستوں پر چلنے سے مجھے خوف آتا ہے۔تمہیں یاد نا۔ایک بار تم مجھے لائبریری میں اکیلا چھور گئے تھے اس دن وہاں کوئی نہیں تھا جو مجھے گھر چھوڑ آتا۔اس دن مجھے پتا چلا کہ تمہارے بنا میں کتنی بزدل اور ڈرپوک ہوں۔تمہارے ساتھ کے علاوہ میں ایک قدم بھی نہیں چلی سکتی ہوں۔اور جب تم واپس آئے تو مجھے سیڑھیوں پر روتا ہوا

پایا تھا۔اس دن تم نے مجھ سے ایک وعدہ کیا تھا کہ زری میں تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا، تمہیں اپنا وہ وعدہ یاد ہے نا۔؟؟

طلال نے اثبات میں سر ہلایا تو اس کے چہرے پر ایک بے کیف سے مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولی۔

میں تمہیں تمہارا وعدہ اس لئے یاد کرا رہی ہوں کہ تم وہ وعدہ اب بھی نبھاؤ گے۔

اس کی بات سن کر طلال کے ہونٹوں پر ایک زخمی سے مسکراہٹ نے قدم رکھا اور وہ بولا۔

میں کوشش کروں گا کہ وہ وعدہ نبھا سکوں پر اگر میں دست قدرت کے ہاتھوں مجبور ہو جاؤں تو میرا ایک کام کرنا۔

اگر میں نہ رہوں تو مجھے شہر سے دور اپنے آبائی گاؤں کے قبرستان میں مت لے جانے دینا۔میں یہاں سے دور نہیں جانا چاہتا ہوں۔مجھے اس شہر سے محبت ہے اس کی گلیوں میں میرا بچپن اب بھی کھیل رہا ہے۔میرے وہ خواب جو تم سے وابستہ ہیں اس چہر کی گلیوں میں پھرتے ہیں میں ہمیشہ ان خوابوں کے درمیان رہنا چاہتا ہوں۔اس شہر میں میری نو عمری کے قہقے گونجتے ہیں اس کی دیواروں پر تمہارے ساتھ کے سنہری پل لکھے ہوئے ہوئے ہیں۔اس شہر کی روشنیوں سے مجھے محبت ہے کہ جب کبھی میں قبر کی تاریکیوں سے گھبر اجاؤں تو ان روشن میناروں اور بالکونیوں سے اڈتی روشنی کو محسوس کروں۔

مجھے اس شہر کے باغوں سے محبت کے جن میں لگے پھولوں میں جانے کتنی محبتیں سانس لیتی ہیں۔اس شہر کچھ دلوں میں مردو محبتوں کی مزار ہیں ہو سکتا ہے وہ لوگ کبھی میری تربت پر چلے آئیں اور میں تنہائی محسوس نہ کروں۔

یہ شہر میرا محبوب ہے کہ اس میں تم ہو۔اس کی ہواؤں میں تمہاری سانسوں کی خوشبو رچی بسی ہے، میں تمہارے ساتھ تو مزید چل نہیں سکا۔پر میں اس شہر کی مٹی میں دفن ہو جانا چاہتا ہوں کہ اس شہر میں میں تمہاری یادوں کا سایہ ہے۔مجھے خود سے دور مت لے جانے دینا کسی کو بھی زری۔

میں یہاں ہی تمہارے پاس ہمیشہ رہنا چاہتا ہوں تمہاری خوشبو کو محسوس کرنا چاہتا ہوں۔شہر میں چلتے لوگوں کو سن سکوں اور تمہارا وہاں ہونا محسوس کر سکوں۔

اپنی موت کا ذکر کرتے ہوئے طلال کا لہجہ آہوں سے لبریز تھا۔

زر شاہ دل کا دل شدت غم سے پگھل گیا اور اسے بڑی مشکل سے ضبط کو سنبھالتے ہوئے کانپتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

تم کبھی خود کو تنہا محسوس نہیں کرو گی طلال۔میری یادوں کے قافلے ہمیشہ تمہاری سمت چلتے رہے گے۔میری روح تمہارے مزار پر مجاور ہو گی۔میرا وجود تمہاری یادوں کا گھر ہو گا۔میرے دل میں تمہاری جدائی غم ہمیشہ جوان رہے گا اور تمہاری محبت کو میں ہمیشہ سینے سے لگائے رکھوں جیسے ماں اپنے نو مولود بچے کو سینے سے چمٹائے رکھتی ہے۔جب زندگی مجھے تھکا دے گی میں تمہاری محبت کی فرحت بخش چھاؤں میں بیٹھ کر تمہیں محسوس کروں گی۔

جب بارشیں برسیں گی تو تم مجھے شدت سے یاد آؤ گے،

جب کائنات پر خزاں مسلط ہو جائے گی اور پتے شاخوں سے جدا ہوں گے اور پھول خشک ہو کر ٹہنیوں سے چمٹ جائیں گے تو تب تم مجھے بے تحاشہ یاد آؤ گے۔ کہ تم مجھ سے ان پتوں کی طرح جدا ہوئے تھے اور زندگی کی شاخ پر ان پھولوں کی طرح مرجھائے تھے۔

یہ الفاظ زرشاہ کی روح کی گہرائیوں سے پیدا ہوئے اور طلال کی سماعتوں نے ان کو چن لیا۔

وہ آنکھوں میں نمی لئے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی۔ بارشیں رک چکی تھیں اور وہاں اس کا پسندیدہ منظر نہیں تھا۔

رات دھیرے سرک رہی تھی اور تھے چاسو ایک نام سی ماتمی کیفیت چھاتی جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

رات اپنے نصف میں تھی جب طلال کی طبعیت یک دم ہی بگڑی اور اس نے زرشاہ کو پکارا۔

زرشاہ نے آخری بار طلال کے منہ سے اپنا نام سنا،

جب تک ڈاکٹر آتے طلال کی قوتیں جواب دے چکی تھیں۔ اور اس کے ہونٹ دم آخر کچھ کہنے کے لئے لرز رہے تھے۔ اس کی نظریں چھت پر کسی غیر مرائی وجود پر ٹکی ہوئیں تھیں۔ زرشاہ نے اپنے کان اس کے قریب کئے۔

میں تم سے محبت کرتا ہوں زری اور مرنے کے بعد بھی تم سے محبت کرتا رہوں گا۔

اس کے منہ سے ٹکروں میں الفاظ برامد ہوئے تھے۔

طلال نہیں۔ زرشاہ شدت سے چلائی۔

آخر طلال نے ایک ہچکی لی اور اور کا جسم طوفان کی زد میں آئی شاخ کی طرح بری طرح کانپا اور ساکت ہو گیا۔ چہرے پر زردی کھنڈ گئی اور آنکھیں بے نور ہوتی چلی گئیں۔

اس کے ہاتھ ابھی تک زرشاہ کے ہاتھ میں تھا جیسے وہ یوں اسے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا۔

اس کا سر دپڑتا ہوا ہاتھ زرشاہ کے ہاتھوں سے نکلا اور ہوا جھول گیا۔

زرشاہ نے آخری بار اس کے چہرے کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں کے کناروں پر کچھ آنسو چمک رہے تھے۔

یہ آنسو شاید اس کا اپنی محبت کو آخری خراج تھے۔

زرشاہ نے تانیہ اور طلال کی امی کو دروازے میں سے چیخ مار کر آتے ہوئے دیکھا۔

پھر اس کے ضبط کا بندھ ٹوٹ گیا اور وہ طلال کے سینے پر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

درگاہ کی منڈیر پر جلتے ہوئے چراغوں میں سے طلال کے ہاتھ کا رکھا چراغ ہوا نے بجھا ڈالا تو بوڑھے رحیم بابا کی جھریوں بھرے چہرے پر آنسوؤں نے اپنے پاؤں پھیلا دیئے۔

نیا سفر مبارک ہو پتر۔

انہوں نے زیر لب کہا۔ باہر گاڑی رکنے آواز سن کر انہوں نے جان لیا کہ کون آیا ہے۔

کچھ دیر شکستہ قدموں سے زرشاہ درگاہ میں داخل ہوئی۔

بابا وہ چلا گیا۔ ہم سب کو چھوڑ کر۔ آپ سے وہ کتنی محبت کرتا تھا آپ کے لئے بھی نہیں رکا وہ۔

زرشاہ نے روتے ہوئے کہا تو بابا رحیم کی آنکھوں میں بھی آنسو دوبارہ تیرنے لگے۔

جس کو جانا ہوتا ہے بیٹی وہ کسی کے لئے نہیں رکتے ہیں۔ جس کہانی میں بچھڑ جانا طے ہو چکا ہو اسے بدلا کہاں جاسکتا ہے۔

ہر انسان اپنی زندگی کی کہانی میں اپنا کردار نبھا کر چلا جاتا ہے۔ کسی کا کردار طویل ہوتا ہے تو کسی کا مختصر سا۔ یہی زندگی ہے۔

کوئی حاصل ہو جاتا ہے تو کوئی لاحاصل رہ جاتا ہے۔

بابا میرے لئے سکون کی دعا کرنا ہو سکتا ہے یہ دعا قبول ہو جائے۔

میں اب اسے جب میں مانگنے کے لئے آئی ہوں،

زرشاہ نے ہاتھ بلند کئے ہوئے، آنسوؤں نے اس کا چہرہ دھوڈالا تھا۔

زرشاہ ن خاموشی سے روتی رہی اور پھر جس طرح خاموشی سے آئی تھی اسی طرح خاموشی سے چلی گئی۔

بابا رحیم نے نم آلود آنکھوں سے آسمان کو دیکھا جہاں کچھ بادل محبت کے سوگ میں برسنے کے لئے اکھٹا ہو رہے تھے۔

تیرے کھیل نرالے مولا۔

کچھ دعائیں کبھی نہیں ہوتی ہیں چاہے ان میں صدق کتنا ہی کیوں نہ ہو۔ کچھ رازوں کا بس اللہ ہی امین ہوتا ہے۔ ہر دعا باب قبول تک نہیں جاتی ہے اور ہی ہر سجدے کے نصیب میں قبول ہونا لکھا ہوا ہوتا ہے۔

کچھ کہانیاں ادھوری ہی رہ جاتی ہیں۔ کیوں کے ان کے مقدر میں ادھورا پن ہی لکھا ہوا ہوتا ہے۔

بابا نے سر جھکا دیا۔

کچھ دیر میں بارش کی پہلی بوندوں نے زمین پر قدم رکھا تھا۔

زرشاہ نے شیشے کے اس پار گرتی بوندوں کو تیز بارش میں بدلتے دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر دیں۔

اس کے اندر بھی آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی۔ہم پھر ملیں گے طلال اور تب ہماری ملاقات دائمی ہو گی جس میں جدائی کبھی نہیں آسکے گی۔

اس نے زیر لب کہا تو بارش کی بوندوں نے اس کی دعا پر آمین کہا اور بارش کی چادر زمین سے آسمان تک پھیلتی چلی گئی۔

الوادع طلال ابراہیم،الوادع محبت۔

زرشاہ نے آنسوؤں کو آنکھ کے کناروں سے صاف کرتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

بارش مسلسل برس رہی تھی اور اس کی آنکھوں کے ساتھ پورا شہر بھی بھیگ رہا تھا۔چار سو ماتمی فضا پھیل رہی تھی۔ اور گاڑی پانی سے لدی سڑکوں پر دوڑے جا رہی تھی۔

کسی دا یار نہ وچھڑے

ایس توڈاڈھا دکھ نہ کوئی،پیار نہ وچھڑے

کسی دا یار نہ وچھڑے،کسی دا یار نہ وچھڑے

روگ ہجر دا مار مُکاوے

سکھ دا کوئی ساہ نہ آوے

دُکھ لاندے نیں دل وچ ڈیرے

چارے پاسےدسن ہنیرے

دنیا وچھڑے نہیں پرواہ

دلدار نہ وچھڑے

کسی دا یار نہ وچھڑے

☆☆☆☆☆☆☆☆

ختم شُد

اس ناول پر آپکی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔۔